ایڈیٹر
وہاب صدیقی

ایسوسی ایٹ ایڈیٹر
واحد بشیر

وقائع نویس
حسین نقی
شبیہہ الحسن

طنز و مزاح
امر جلیل
ابو ضیا اقبال

اسلام آباد
حمید شیراز

صوبائی نمائندے
احسان عظیم
سندھ مقیم حیدرآباد
کاشف
پنجاب مقیم لاہور
شہزاد غزنوی
سرحد مقیم پشاور
ناصر عرفات
بلوچستان مقیم کوئٹہ

خاص مضامین

قصور، نصرت بھٹو کا یا ------- —— حسین نقی —— ۵
مفتی محمود کا عارضی دور ختم، ولی خان قومی اتحاد کے صدر ہوں گے —— حمید شیراز —— ۸
افراسیاب خٹک کا انٹرویو —— نمائندہ الفتح —— ۱۱
لیاری کا لاوا، لاٹھی چارج اور گرفتاریاں —— نمائندہ الفتح —— ۳۳

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ الفتح
کراچی

قیمت دو روپے پچاس پیسے	ٹیلیفون ۴۳۲۲۷۴	جلد : ۸ شمارہ : ۳۳	۲۳-۳۰ دسمبر ۱۹۷۷ء

ضلعی نمائندے

○ ناصر خاں، میرپورخاص ○ ایاز سندھی، سانگھڑ ○ ابراہیم عباسی، خیرپور، سکھر، جیکب آباد، لاڑکانہ۔
○ کامل سموں، ٹنڈوالہ یار ○ شفیق ملک، ملتان ○ فاروق طارق، شیخ شوکت علی، فیصل آباد، گوجرانوالہ ○ محمد افضل جنجوعہ
○ قاضی غیاث الدین جانباز شیخوپورہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ احمد حسین، گوادر ○ روشن ملک میانوالی ○ سید نذیر گیلانی آزاد کشمیر

غیر ممالک

■ پیکنگ، رشید بٹ ■ ماسکو، محمد زاہد ■ کینیڈا، سید ابن سعود ■ لندن، عبدالحفیظ قریشی
■ متحدہ عرب امارات مقیم دبئی، غلام جیلانی

انتظامی امور
وقیع احمد صدیقی

آرٹسٹ
سعید الدین

ارشاد راؤ پبلشر نے ناظر پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر
ہفت روزہ الفتح ۶۹-۵ ڈی زرعی کمرشل ایریا۔ پی، ای، سی، ایچ، ایس کراچی ۲۹ سے شائع کیا

دہشت اور افادیت

ہمارے ہاں ایک قدیم رسم چلی آرہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عوام کو در پیش مسائل کو نظر انداز کیا جائے اور جب ان مسائل پر مختلف صورتوں میں رد عمل کا اظہار ہونے لگے تو ان مسائل کے اصل اسباب اور وجوہات کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے غیر حقیقی ، موہوم اور پراسرار فضار پیدا کی جائے یہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے کوئی دورِ حکومت ان کوششوں سے منزہ اور مبرّا نہیں ہے ۔ لیکن آج کی صورتِ حال میں ایک فرق یہ ہے کہ یہ کوششیں صرف حکمرانوں یا حکومت کے کارندوں کی طرف سے ہی نہیں ہو رہی ہیں بلکہ ایک ایسا فریق بھی اس میں شامل ہو گیا ہے جو نامعلوم وجوہات کی بنار پر خود کو حکمران نہ ہوتے ہوئے بھی حکمران سمجھنے اور حکمرانی کی دیرینہ روایات پر عمل کرنے پر تلا ہوا ہے ۔ اس کی تازہ مثال جماعت اسلامی کے پارلیمانی رہنما اور قومی اتحاد کے جنرل سیکریٹری پروفیسر غفور احمد کا بیان ہے کہ سندھ میں بگڑتی ہوئی معاشی، انتظامی اور امن و امان کی صورتِ حال میں "خفیہ ہاتھ" کام کر رہا ہے ۔

پروفیسر صاحب نے بڑی محنت اور کاوش سے یہ تاثر قائم کیا تھا کہ وہ ایک پڑھے لکھے ، بردبار اور سنجیدہ سیاست کار ہیں ۔ یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ جماعت اسلامی اپنی طاقت اور مقبولیت کی بنار پر برسرِاقتدار نہیں آ سکتی ۔ لیکن اس حقیقت کا علم ایسی مایوسی کا سبب تو نہیں بننا چاہیئے کہ پروفیسر صاحب جیسا آدمی بھی توازن کھو بیٹھے اور خود اپنے ہاتھوں اپنا امیج بگاڑ لے ۔

پروفیسر صاحب کو اس حقیقت کا برملا اعتراف کر لینا چاہیئے کہ ملکی انتظام و انصرام میں روز بروز تنزل اور ابتری صرف سندھ کے اندرونی علاقوں تک محدود نہیں ہے پورا ملک ایک بے یقینی کی کیفیت سے دوچار ہے ۔ سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کے افسر سب سے زیادہ جس بات کے لئے فکرمند ہیں وہ ان کی اپنی ملازمتوں پر برقراری ہے ۔ اسی فکر میں وہ کوئی اقدام کرتے میں ہچکچا رہے ہیں ۔ صوبائی اور مرکزی دفاتر میں کارروائیاں فائیلوں میں دفن ہوتی جا رہی ہیں ۔ ان حالات میں جن افسروں کو اپنی ملازمتوں کے محفوظ ہونے کا احساس ہے وہ من مانی کارروائیاں کر رہے ہیں اور ان کے غلط اقدامات پر حرف زنی کرتے ہوئے لوگ ڈرتے ہیں ۔ پروفیسر صاحب اور ان کے ہمنوا "سب خیر ہے" کا نعرہ لگانے میں مصروف ہیں ۔

ہماری رائے میں ان مسائل کا حل سیاسی سرگرمیوں کی بحالی اور جلد از جلد انتخابات کے ذریعے منتخب نمائندوں کو اقتدار کی منتقلی ہی ہو سکتا ہے ۔ ہم یہاں مرحوم جسٹس کیانی کے اس قول کو دہرانا مناسب سمجھتے ہیں کہ "ہنگامی قوانین اگر لمبے عرصے تک مسلّط رکھے جائیں تو وہ اپنی دہشت اور افادیت کھو دیتے ہیں"۔

ایک بے ہوش تماشائی کے لئے اتنے پولیس والے

قصور نصرت بھٹو کا یا......

حسین نقی

سپاہیوں کی پوری رجمنٹ نے ایک شخص کی پٹائی کی

پاکستان کے بیشتر اخباری اداروں نے پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرمین کے دورۂ گوجرانوالہ، شیخوپورہ اور قصور کو خبری اہمیت کا حامل نہیں سمجھا۔ لیکن قذافی اسٹیڈیم کے واقعہ کی "واقعاتی" رپورٹیں خصوصاً ان نامہ نگاروں کے حوالے سے جو اسٹیڈیم کے قرب و جوار میں دور دور تک نظر نہ آتے۔ کراچی تک کے اخبارات میں شائع ہونے سے اس امر کا پتہ چلا کہ بیگم بھٹو کامیاب سیاسی پھڈا ڈال سکتی ہیں۔ بلکہ بعض اخباروں کی خصوصی اطلاعات کے مطابق وہ کئی روز سے یہ منصوبہ بندی کر کے کل سہ پہر قذافی اسٹیڈیم پہونچی تھیں۔

اخبار نویسی کے قریب قریب ہی ایک لفظ ہے "مخبری" اور مخبری اور اخبار نویسی کے درمیان ایک بال سے زیادہ باریک حد موجود ہوتی ہے۔ ان بزرگوں، دوستوں نے قذافی اسٹیڈیم کے پھڈے کو اتنی اہمیت کیوں دی اور ان ہی بیگم بھٹو کے سیاسی دورۂ گوجرانوالہ، شیخوپورہ اور قصور کی خبریں بھیجنے سے کیوں پرہیز کیا، اس میں وہی بال سے زیادہ باریک والی بات مانع نظر آتی ہے۔ یہ حضرات مؤنین جس طرح قصور، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ میں موجود نہیں تھے، اسی طرح قذافی اسٹیڈیم میں بھی ان کا وجود نہیں تھا۔ تحقیق کہ یہ نصرت بھٹو کی آمد پر نہ ہی "کالے" پریس والوں کے لئے مخصوص انکلوژرز میں پائے گئے نہ ہی "گورے" پریس انکلوژر میں۔

یہاں ذرا وضاحت کر دوں۔ بورڈ فار کنٹرول آف کرکٹ کی انتظامیہ نے واقعی قذافی اسٹیڈیم میں کم از کم خالص نسلی امتیاز روا رکھا ہے اور اس بار سفید فام اخبار نویس اور پاکستانی اخبار نویسوں کو علیحدہ علیحدہ حصوں میں بٹھایا ہے اس "جنوبی افریقہ" کا جو قذافی اسٹیڈیم میں قائم کیا گیا یہ خادم خود شکار ہوا اور عینی شاہد ہے۔

اتفاق سے جمعہ کے واقعات کا بھی یہ خاکسار عینی شاہد ہونے کی سعادت سے محروم نہ رہ سکا۔

شاید مجھے یہ ماننے میں کوئی تامل نہ ہو تاکہ بیگم بھٹو محض سیاسی پھڈے اور گڑبڑ کرنے کی غرض سے ایک روز

پہلے ہی اعلان کرا کر قذافی اسٹیڈیم گئی تھیں۔ اگر میرے دوست محمد ادریس جو پاکستان کی ریاست کے تمام ستونوں میں برابر مقبول ہیں جمعہ کو ہی چھپنے والے کالم میں پولیس کو ایک روز پہلے تماشائیوں کے ساتھ زیادتی کرنے پر سرزنش کرنے کے علاوہ بالکل درست اور مفید مشورے نہ دے چکے ہوتے

یہاں یہ بھی بتا دوں کہ اس سے ایک دن پہلے یعنی جمعرات کے روز ہونے والے واقعات میں کسی بھی اخبار نویس کالے، گورے۔ اسلام پسند، مساوات پسند۔ نام نہاد ہی سہی آزاد اخبارات اور اخبار نویسوں کو نصرت بھٹو یا پیپلز پارٹی کا کوئی ہاتھ نہیں نظر آیا اور سب ہی نے پولیس کو قصوروار اور تماشائیوں کو بری الذمہ قرار دیا۔

میں نے اپنے دوست محمد ادریس کے کالم کا ذکر بھی اس لئے کیا ہے کہ وہ کسی سیاسی پھڈے میں نہیں اور پی پی ایل یعنی پاکستان ٹائمز اور امروز کے کارکنوں کی لیڈری کے علاوہ ان کا کوئی سیاسی مشغلہ نہیں۔ سی۔ آئی۔ اے اور اس سے ملتے جلتے کاموں پر مامور مقامی تنظیموں کے فائلوں میں بھی ان کے اوپر کسی "ازم" کی تہمت نہیں لگائی جا سکی۔ کیوں کہ وہ اس قدر رسوخ کا حامل شخص ہے کہ جب وہ یہ وثوق سے کہے کہ اس کی تمام فائلوں میں سیاست کا خانہ بالکل چٹا ہے تو میں یقین کرتا ہوں کہ ایسا ہی ہوگا۔

بہرحال اسی محمد ادریس نے ایک روز پہلے کے واقعے کے سلسلے میں لکھا کہ نہ جانے کیوں ہمارے پیارے لاہور کے مجمع کے متعلق بار بار ایک ہی غلطی کو دہرایا جاتا ہے نہ جانے کیوں ہمارے پولیس کے سپاہیوں کو رنگ میں بھنگ ڈالنی ہوتی ہے

"پولیس کے سپاہیوں کی ایک پوری کی پوری رجمنٹ کا ایک آدمی کو پیٹنا، کسی کا بھی نظریہ انصاف نہیں ہو سکتا۔"

ان واقعات کا ذکر کرنے کے بعد کہ لوگوں نے آویزاں بورڈ پھاڑ دیئے۔ اینٹیں چلائیں۔ ہڈیاں گنڈیریاں وغیرہ استعمال کیں، محمد ادریس نے لکھا "شکر ہے، کسی کو یہ عقل تھی کہ اس نے سپاہیوں کو واپس بلا لیا۔"

ادریس نے ٹیلیویژن کو بھی آڑے ہاتھوں لیا کہ آخر اس نے قذافی اسٹیڈیم میں جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا "اب ہم آپ کو اسٹوڈیو لئے چلتے ہیں"۔ کیوں کہا اور یہ پوچھا کہ جو کچھ ہو رہا تھا کیوں نہ دکھایا۔ کیا یہ خبر نہیں تھی؟

ادریس نے شاید اگلی شام بھی سب کچھ وہی دہراتے ہوئے دیکھا ہو۔ ٹی وی پر۔

اس کالم میں ادریس کا تمام سپاہیوں کو "جو زخمی ہوئے جو زخمی نہ ہوئے، بڑے اور چھوٹے سپاہی۔ تمام سپاہی۔ معقول اور نامعقول" کو جمعرات کا واقعہ "سبق" کے طور پر یاد رکھنے کو کہا اور مشورہ دیا تھا کہ "آنکھیں کھلی رکھیئے لیکن ان مجمعوں کو ہاتھ مت لگایئے" "پرامن بقائے باہمی اصول ہونا چاہیئے"۔

چوبیس گھنٹے سے پہلے بلکہ کالم کی اشاعت کے بارہ گھنٹے بعد بلکہ قارئین اور اس میں پولیس کے وہ بالغ نظر افسران بھی شامل ہیں جنہوں نے جمعہ کی سہ پہر بیگم بھٹو کی آمد کے بعد ان پر تمام دروازے بند کئے تاوقتیکہ کہ مجمع نے ایک دروازہ خود ہی کھول دیا اور کسی نے پھر نصرت بھٹو کا سر کھول دیا۔!

چونکہ میری آنکھیں اس مقام سے تقریباً ڈیڑھ دو سو گز دور تھیں اور صرف ایک ہی "کالے" اخبار نویس کے پاس ہی دوربین مجھے نظر آئی، میں اخبار نویسی اور مخبری کے فرق کو پہچانتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتا کہ نصرت بھٹو کا سر کس نے پھاڑا۔ پولیس کے ڈنڈے نے یا کسی اور آلۂ جرم نے۔ سر ضرور پھٹا۔ تین ٹانکے بھی لگے اور نواب محمد احمد خان کے قتل میں سرکاری گواہ کے طور پر پیش کئے جانے کے لائق سمجھے جانے والے ذمہ دار ڈاکٹر نے یہ ضروری سمجھا کہ بیگم بھٹو کی کھوپڑی کا ایکسرے کرائے۔

اگر نصرت بھٹو کا مقصد گڑبڑ کرانا تھا تو انتظامیہ نے ان سے بھرپور تعاون کیا

میں نے یہ لطیفہ بھی ایک معتبر اور آزمودہ کار صحافی سے اس وقت جب کہ پولیس والے ایک بے ہوش نوجوان کو مرے ہوئے کتے کی طرح گھسیٹ کر لا رہے تھے اور اس سے پہلے اس کی خاطر داری بھی کر رہے تھے، آنسو گیس پھینکی جا رہی تھی یہ کہتے بھی سنا انہیں گولیاں مارنی چاہئیں ـــ یہ ..... اس قابل ہیں۔ محترم صحافی دوست ٹرسٹ کے ایک خسارے میں جاتے والے اخبار کے نمائندے اور بیس سالہ تجربہ رکھنے والے فرد ہیں۔

میں نے ان بزرگ سے دریافت کیا کیا پولیس کا یہ فرض بھی نہیں ہے کہ اس نوجوان کو کم از کم ایک مردہ اور کم از کم اب بے بس انسان کی طرح اٹھا کر ابتدائی طبی امداد کے لئے قریب ہی لے جائے؟۔

میں نے کسی بھی ڈاکٹر کو، اور اسٹیڈیم میں اس "معزز پیشے" کا بار بار ذکر کرنے والے کافی بڑے بڑے ڈاکٹر موجود تھے، منتظمین کے مقرر کردہ ڈاکٹر بھی تھے اس مریض کی طرف آتے نہ دیکھا۔

نصرت بھٹو کا سر بھی اس اسٹیڈیم کی حدود میں پھٹا تھا اور مومنین کی کافی تعداد موجود تھی۔ جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے کافی ڈاکٹر بھی موجود تھے کسی نے اس کافرہ، کافر کی بیوی، کو بھی طبی امداد دینا ضروری نہ سمجھا۔

۵ بجے، آٹھ بجے، نو بجے کے تمام بلیٹن گذر گئے ریڈیو اور ٹیلیویژن کے اس عرصہ میں ایک درجن کے قریب بلیٹن نشر ہونے کے بعد سرکاری پریس نوٹ جاری ہوا۔ کیوں کہ ہمارا پریس بحمد اللہ آزاد ہے۔ تمام مومنین کا کہنا یہی ہے !!!

اگلی صبح لاہور، کراچی کے اخبار بھی چھپے آزاد اخبار، آزادئ اظہار کے علمبردار روزنامے۔ ان میں اسٹیڈیم کے ہنگامے کے بعد جلنے والی بسوں کے پنجروں کی تصاویر بھی چھپیں، سنی، سنائی کہانیاں بھی، لیکن بہت ساری تصاویر محض ریکارڈ کے لئے محفوظ ہو گئیں۔

ان خبروں میں یہ چھپا کہ دو دن سے ہنگامے کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ پھر یہ بھی چھپنا چاہیئے تھا کہ یا تو انتظامیہ اس میں درپردہ شریک تھی یا اس میں اس ہنگامے کو نہ ہونے دینے کی صلاحیت اور اہلیت نہ تھی۔

نصرت بھٹو اسٹیڈیم میں باقاعدہ خبر کی اشاعت کے بعد جس میں وقت تک دیا ہوا تھا آئی تھیں۔ اگر یہ ان کے حمایتیوں کی اطلاع اور تیاری کے لئے تھا تو لاہور کی، اسٹیڈیم کی انتظامیہ ایک چھٹی کے دن بھی اس کے لئے کوئی بہتر انتظام نہ کر سکی کہ وہ آئیں۔ کھیل دیکھیں اور دوسروں کو بھی پورا کھیل دیکھنے کا موقع ملے۔

لیکن انتظامیہ میں کسی کا خیال یہ بتایا جاتا ہے کہ ٹکٹ کے باوجود نصرت اور بے نظیر بھٹو کو اسٹیڈیم کے حدود میں ہی آنے نہ دیا جاتا حالانکہ اگر انہیں ممبروں کے لئے مخصوص جگہ پر ان کے ٹکٹوں کے مطابق بیٹھنے دیا جاتا تو سوائے اس کے کہ ان کی آمد پر ان کے طرفدار ان کے اور بھٹو کے حق میں چند نعرے لگاتے یا تالیاں بجاتے، وہ سب کچھ ہرگز نہ ہوتا جو جمعہ کی سہ پہر لاہور میں ہوا۔

اگر نصرت بھٹو کا مقصد ہی گڑبڑ کرانا تھا تو انتظامیہ کو یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ وہ اس میں سو فیصد کامیاب رہیں۔ اور اس نے یعنی انتظامیہ نے ان کی کامیابی میں پورا تعاون کیا

سرورق

قذافی اسٹیڈیم سے لاہور کے کوچوں تک لمحہ بہ لمحہ

نصرت بھٹو کا لہو اور پولیس افسر کی مسکراہٹ

نمائندہ الفتح

یہ لاہور ہے۔ جمعہ کا دن اور تاریخ ہے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۷ء قذافی اسٹیڈیم میں پاکستان اور انگلستان کے درمیان کرکٹ ٹیسٹ میچ ہو رہا ہے۔ تماشائی میچ دیکھنے میں مصروف ہیں پولیس کی تعداد خلاف معمول بہت زیادہ ہے۔ پولیس والوں کے کرخت چہروں سے وحشت ٹپک رہی ہے۔ رعونت ہے۔ یہ کسی خطرے کی علامت ہے۔ کیونکہ پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرمین بیگم نصرت بھٹو اور ان کی صاحبزادی بے نظیر بھٹو بھی آج میچ دیکھنے آنے والی ہیں۔ انہوں نے نشستیں پہلے ہی سے مخصوص کرا رکھی ہیں۔

۳-۳۰ بجے سفید رنگ کی مرسڈیز کار قذافی اسٹیڈیم ممبرز گیٹ کے سامنے آ کر رکتی ہے۔ اس میں بیگم بھٹو سوار ہیں۔ ان کے ہمراہ بے نظیر بھٹو اور دو دیگر خواتین ہیں۔ انتظامیہ کا ایک کارندہ کار کے پاس آتا ہے۔ اور بیگم بھٹو کو بتاتا ہے کہ ان کو اس گیٹ سے اندر جانے کی اجازت نہیں۔ وہ گیٹ ۲ پر جائیں۔ چنانچہ کار گیٹ ۲ کی طرف چلی جاتی ہے۔

۳-۳۱: بیگم بھٹو کی کار گیٹ ۲ پر رکتی ہے۔ مگر گیٹ پہ تالے پڑے ہوتے ہیں۔ بیگم صاحبہ کار سے اتر کر گیٹ پر پہنچتی ہیں تو سینکڑوں افراد انہیں گھیر لیتے ہیں اور نعرے لگاتے ہیں "جیوے بھٹو، سدا جیوے، جیل کا پھاٹک توڑیں گے۔ بھٹو کو رہا کرائیں گے" ان نعروں کی آواز اسٹیڈیم میں بھی سنائی دیتی ہے تو تماشائی بھٹو کے حق میں نعرے لگانا شروع کر دیتے ہیں اور سینکڑوں تماشائی گیٹ پر آ جاتے ہیں۔ اس موقع پر ایک پولیس افسر بیگم بھٹو سے کہتا ہے کہ وہ اس گیٹ سے اندر نہیں جا سکتیں گیٹ ۳ پر جائیں۔ چنانچہ بیگم صاحبہ پیدل ہی گیٹ ۳ پر چلی جاتی ہیں۔

۳-۳۳: بیگم بھٹو گیٹ ۳ پر جاتی ہیں۔ ان کے ہمراہ سینکڑوں افراد ہیں۔ انتظامیہ نے گیٹ ۳ پر بھی تالے لگا دیئے لیکن اسٹیڈیم میں موجود تماشائیوں کو ان کی آمد کی خبر مل چکی ہے۔ اسٹیڈیم کی دیوار پر کھڑے ہو کر ہزاروں نوجوانوں نے اچھل اچھل کر "بیگم بھٹو زندہ باد" "غریبوں کی مجبوری ہے بھٹو بہت ضروری ہے" کے نعرے لگاتے ہیں۔ اسٹیڈیم کے اندر تماشائیوں کا ایک ہجوم بیگم صاحبہ کے استقبال کے لئے موجود ہے۔ اس نے تالہ ہاتھوں سے مروڑ کر توڑنے کی کوشش کی اور پھر اینٹیں تالے پر مارنے لگتے ہیں لیکن بیگم بھٹو منع کرتی ہیں۔ اس موقع پر انتظامیہ کے حکام انہیں گیٹ ۴ پر جانے کا حکم دیتے ہیں۔ اور وہ اس گیٹ کی طرف روانہ ہو جاتی ہیں۔

۳-۳۴: بیگم بھٹو گیٹ ۴ پر پہنچ جاتی ہیں۔ وہاں تماشائیوں کی ایک بڑی تعداد اپنی نشستیں چھوڑ کر گیٹ پر آ جاتی ہے۔ اور گیٹ کھول دیتی ہے۔ بیگم صاحبہ خواتین کے انکلوژر میں داخل ہو جاتی ہیں۔ ان کے ہمراہ بے نظیر بھٹو اور دیگر تماشائی بھی ہیں۔ مخصوص نشستوں تک جانے کی

(باقی ص ۳۶ پر)

کشمیر فتح نہ ہو سکا، قذافی اسٹیڈیم فتح ہو گیا: نصرت بھٹو

اسلام آباد

حمیر شیراز

مفتی محمود کا عارضی دور ختم، ولی خان قومی اتحاد کے سربراہ ہونگے

۵ جنوری کو نماز ظہر کے بعد جمہوریت کے لئے نکلنے کی ہدایت

راولپنڈی کی خواتین نے مظاہرے شروع کر دیئے

پاکستان قومی اتحاد ایک بار پھر کنفیوژن کا شکار ہو رہا ہے۔ ایک جماعت کا نعرہ لگانے والے افراد متضاد رائے کا اظہار کر رہے ہیں۔ خان عبدالولی خان اور ان کے ساتھیوں کی رہائی کے بعد قومی اتحاد کو مضبوط بنیادوں پر استوار ہو جانا چاہیئے تھا مگر خان عبدالولی خان کی ہی قومی اتحاد کی مرکزی کونسل میں شرکت کے سوال پر اتحاد کی قیادت میں پھر پھوٹ پڑ گئی ہے۔ نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے لئے سرحد اور بلوچستان میں نشستوں کی الاٹمنٹ کے سوال پر تحریک استقلال کے سربراہ ریٹائرڈ ایئر مارشل ایم اصغر خان نے اتحاد سے فوری علیحدگی اختیار کر لی تھی اب اصغر خان کے ہی ایک زبردست ساتھی جمعیت العلمائے پاکستان کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی نے اتحاد کی مجلس عاملہ میں خان عبدالولی خان کی شرکت کو اپنے لئے وقار کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ خان عبدالولی خان کے بارے میں ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ وہ قومی اتحاد میں شامل رہیں گے اور اسی مقصد کے لئے این ڈی پی میں شرکت اختیار کر لیں گے۔ اس سے مزید آگے اطلاع یہ ہے کہ پاکستان قومی اتحاد کی قیادت میں بہت جلد تبدیلی ہونے والی ہے اور مولانا مفتی محمود کی جگہ خان عبدالولی خان کو اتحاد کا سربراہ بنا لیا جائے گا۔ یہ حقیقت اپنی جگہ ناقابل تردید ہے کہ خان عبدالولی خان کی ذہانت اور سیاست میں عبور کا مقابلہ پاکستان قومی اتحاد میں اس وقت موجود کوئی بھی سیاستدان نہیں کر سکتا۔ خان عبدالولی خان اس سے پہلے متحدہ جمہوری محاذ کے بھی سربراہ تھے اور کالعدم قومی اسمبلی میں اپوزیشن کے سربراہ بھی۔ جب ان کو گرفتار کیا گیا تو ان کی جگہ مولانا مفتی محمود کو عارضی طور پر قائم مقام لیڈر حزب اختلاف چن لیا گیا تھا اور اسی طرح متحدہ جمہوری محاذ کا سربراہ بھی۔ اب جب کہ وہ رہا ہو چکے ہیں اور ان پر سیاست میں حصہ لینے پر پابندی بھی نہیں ہے انہیں دوبارہ اتحاد کا سربراہ بنانے کے لئے کام کیا جا رہا ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرمین مسز نصرت بھٹو نے ۵ جنوری کو یوم جمہوریت منانے کی جو اپیل کی ہے اس کا مرکز لاہور میں رہے گا۔ پیپلز پارٹی کے کارکنوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اس روز نماز ظہر شاہی مسجد میں ادا کریں۔ مسز بھٹو کی کال پر یوم جمہوریت منانے کے لئے راولپنڈی اور اسلام آباد میں بھی تیاریاں شروع ہیں۔ اس روز کارکنوں سے کہا گیا ہے کہ وہ نماز ظہر کے بعد اگر اور کچھ نہ کر سکیں تو کم از کم جمہوریت کی بحالی کے لئے نعرے ہی لگائیں۔ اس سلسلے میں اور جو کچھ ہوگا وہ تو ۵ جنوری کے بعد ہی بتایا جا سکتا ہے۔ تاہم لاہور میں انگلستان اور پاکستان کے درمیان پہلے ٹیسٹ میچ کے تیسرے روز مسز نصرت بھٹو پر جو لاٹھی چارج ہوا اس پر احتجاج کرتے ہوئے راولپنڈی میں پیپلز پارٹی کی خواتین نے احتجاجاً بھوک ہڑتال کر دی۔ اس سے پہلے پارٹی کے مقامی دفتر سے خواتین نے جلوس نکالا جو تھوڑی دور شہید چوک میں جا کر رک گیا۔ خواتین دھرنا مار کر زمین پر بیٹھ گئیں اور ٹریفک روک دی۔ فرض شناس پولیس کو سارے معاملات کا علم اس

وقت ہوا جب ایک ویگن اور ایک بس کے شیشے توڑ دیئے گئے۔ پولیس کی بھاری جمعیت خواتین کو روکنے کے لئے موقعہ پر پہنچی اور کئی گھنٹے تک خواتین کو نعرے لگانے سے روکتی رہی۔ پہلے مرحلے میں تین خواتین زبیدہ ہاشمی، ریحانہ ملک اور عابدہ کھوکھر نے بھوک ہڑتال شروع کی۔ یہ خواتین شہید چوک میں پولیس پوسٹ کے برابر میں بھوک ہڑتال پر بیٹھیں۔ پولیس نے عابدہ کھوکھر کو اٹھا کر گاڑی میں ڈالنا بھی چاہا مگر ان کی ساتھی کارکنوں نے ایسا نہیں ہونے دیا۔

پاکستان قومی اتحاد کو قدرتی اور فطرتی ٹوٹ پھوٹ سے بچانے کے لئے جیوے پاکستان پارٹی کے سربراہ سابق سینیٹر اور ماربل کنگ مسٹر نبی بخش زہری نے تجویز پیش کی ہے کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مارشل لاء کا ایک ضابطہ نافذ کر دیں جس کے ذریعے کم از کم پانچ سال تک اتحاد میں شامل تمام جماعتیں ایک ہی جگہ رہنے پر مجبور ہوں۔ نبی بخش زہری خان عبدالولی خان اور خان عبدالغفار خان کو محب وطن قرار دیئے جانے پر سخت برافروختہ تھے۔ انہوں نے ایئر مارشل ایم اصغر خان کو بھی معاف نہیں کیا جن کے ساتھ ان کی جماعت کا اتحاد ہونا ہے۔ انہوں نے کہا اصغر خان اپنے پیشے (فلائنگ) میں ماہر ہو سکتے ہیں۔ مگر سیاست میں وہ بہت جونیئر ہیں اور وہ انہیں سیاستدان نہیں سمجھتے۔ انہوں نے کہا ہمیں معلوم ہے کہ اصغر خان نے ایران کا دورہ کس کے کہنے پر کیا ہے۔ انہوں نے اخبار نویسوں کے زور دینے پر بھی اس شخص کا نام نہیں بتایا اور بات گول کر گئے۔ ہمیں تو اس وقت کا انتظار ہے جب مسٹر نبی بخش زہری ایئر مارشل ایم اصغر خان کو لیڈر تسلیم کر کے تحریک استقلال اور اپنی جماعت کا انتخابی اتحاد کریں گے اگر مسٹر زہری کو یاد رہا تو پھر پوچھیں گے۔

پاکستان میں اخبارات میں اگر کوئی جمہوریت کا چیمپئن ہے تو وہ نوائے وقت ہے۔ اس اخبار کی تاریخ کسی سے

(باقی ص ۳۵ پر)

ولی خان کی موجودہ پالیسی کا فائدہ پیپلز پارٹی کو پہنچے گا

پشاور

شہزاد غزنوی

ولی خان کی رہائی کے بعد سیاسی مبصرین حالات حاضرہ کا بالکل نئے انداز سے جائزہ لے رہے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل تک (جب ولی خان ابھی نہیں آئے تھے) یہ شور برپا تھا، کہ ولی خان اپنی رہائی کے لئے کبھی بھی اپنے ان بنیادی اصولوں کا سودا نہیں کریں گے جن کی خاطر انہوں نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ قید و بند میں رہ کر گزار دیا ہے۔ لیکن ان کی رہائی اور ان کے خلاف بیشتر مقدمات کی واپسی کے بعد ولی خان سے ان توقعات کی امید بجھتی جا رہی ہے۔ جو ان کی اصولوں کی روشنی سے اب تک منور تھیں۔ ولی خان جن کے بارے میں اب تک یہ کہا جا رہا تھا، کہ وہ اپنی سیاست کی کاسٹ پر کسی دوسرے کے اقتدار کو قطعی سہارا نہیں دیں گے، اور نہ ہی اپنے سیاسی کاندھوں پر سوار کر کے کسی کو مشترکہ دشمن پر حملہ کی اجازت دیں گے لیکن مشرق وسطیٰ سے پاکستان تک کی سیاست میں غیر معمولی تبدیلیوں نے ولی خان کے اصولوں کو بھی بری طرح متاثر کر دیا ہے

سرحد میں ولی خان کی رہائی سے قبل پیپلز پارٹی کے سیاسی مقبولیت حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ موجود نہ تھی بلکہ یہ بات کھل کر سامنے آگئی تھی، کہ نوجوان نسل کے لئے پیپلز پارٹی زیادہ کشش رکھتی ہے کہ نئی ناراض نسل کبھی بھی حاکم وقت کو سجدہ نہیں کرتی۔ اس کا مطمح نظر سیاسی جبریت کے خلاف ردِ عمل پر استوار ہے چنانچہ پختون مارشل قوم کے جواں اس وقت کی زیر عتاب پیپلز پارٹی کی پوری طرح ہمنوائی کر رہے تھے۔ گو پختون لیڈر ولی خان بھی جیل میں تھے، لیکن یہ بات عیاں تھی، کہ جلد یا بدیر اب ولی خان کی رہائی کا نقارہ بجنے والا ہے کہ بار بار دانتوں کے "علاج کے لئے ان کا ماد لینٹی لایا جانا اس بات کی کھلی دلیل تھا۔ پھر کراچی میں ہائی کورٹ سے ان کے خطاب کے دن کھلی چھٹی اور پی پی پی کے لیڈروں کی حاضری کے دن پولیس تشدد، اس نئی سیاست کی وضاحت کر رہا تھا اس لئے نئی نسل جن میں خود نیپ کے جاں نثار کارکن اور طلباء شامل ہیں انہیں چھوڑ کر بائیں بازو کی سیاست اور پی پی پی سے اظہار ہمدردی کر رہے ہیں۔ گو پیپلز پارٹی کے پاس قیادت کے ضمن میں کوئی بڑا نام نہ پہلے تھا نہ اب ہے، لیکن اب اور پہلے کی صورت حال میں ایک تبدیلی واقع ہو گئی ہے پہلے پیپلز پارٹی کی قیادت کی طرح نیپ یا این ڈی پی کے پاس بھی کوئی قیادتی توپ نہ تھی۔ یہاں تک کہ خود ولی خان کے گاؤں میں این ڈی پی کے سربراہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ اس کا ایک سبب تو ان کے اس رویّے سے پختون قوم کی ناراضگی اور دوسرا قیادت کا فقدان تھا۔ گو بیگم نسیم ولی خان کو مظلوم کی بیوی کے طور پر قبول تو کر لیا گیا تھا لیکن ان کے اثرات سرحد سے باہر زیادہ گہرے تھے کہ پختون قوم ابھی تک ذہنی طور پر کسی خاتون کو لیڈر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ چنانچہ اب ولی خان اور ان کے رفقاء ارباب سکندر خلیل، میر افضل خان اور چند دوسرے لیڈروں کی رہائی کے بعد پیپلز پارٹی کے لئے کچھ رکاوٹیں ضرور پیدا ہوں گی۔ کہ سرحد میں ان کے پاس نہ تو سیاسی دکان پر سجانے کے لئے کوئی بڑا نام ہے، اور نہ ہی کوئی ایسا سرمایہ دار قیادت میں موجود ہے جس کی کاروں کوٹھیوں کی چمک دمک لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کر سکے بر حد پی پی پی کا صدر ظفر قریشی این ڈی پی کے خانوں کی بیس بیس گز لمبی کاروں کے مقابلے میں جب بسوں اور ویگنوں میں دوڑے گا، تو ظاہر ہے مردان اور پشاور کے درمیانی سینکڑوں گاؤں اس کے قدموں سے محروم رہ جائیں گے چنانچہ ولی خان کی رہائی کے بعد اب پیپلز پارٹی کے لئے کچھ دشواریاں بہر حال پیدا ہوں گی۔ ایک تو ولی خان کا نام، دوسرا جو لوگ این ڈی پی کی قیادت سے ناراض تھے، اب ولی خان کے آنے سے دوبارہ متحرک ہوں گے۔ چنانچہ پی پی پی کے لئے کام بڑھ جائے گا لیکن ابھی بھی پیپلز پارٹی کے پاس ٹرمپ کارڈ بچا ہوا ہے۔ اور وہ ہے، کہ سرحد کے عوام کبھی بھی آمریت سے دوستی نہیں کرتے،

سرحد میں مزدوروں کی چھانٹی، کسانوں کی بے دخلی ہو رہی ہے۔ جب کہ پیپلز پارٹی اور مزدور کسان پارٹی کے علاوہ بائیں بازو کی تمام تحریکیں اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں مزدور کسان پارٹی کے رہنما افضل بنگش نے کسانوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ان عوامل کی شدید مذمت کی جن کے سبب فیکٹریوں سے مزدوروں اور کھیتوں سے کسانوں کو نکالا جا رہا ہے۔ مہنگائی، کرپشن، اخلاقی گراوٹ کے خلاف انہوں نے اپنے شدید ردِ عمل کا اظہار کیا۔ اسی طرح نیپ کے ناراض اور اب نیشنل پروگریسو پارٹی کے جنرل سیکرٹری افراسیاب خٹک بھی مزدوروں کی چھانٹی مہنگائی اور چور بازاری کی مذمت کر رہے ہیں سوشلسٹ پارٹی سرحد کے صدر عبدالوحید ایڈووکیٹ بھی پارٹی کانگریس کے حوالے سے اس کے خلاف بیان دے چکے ہیں کسان جرگہ، شاہ زلمہ جرگہ قومی مزدور محاذ غرضیکہ تمام سیاسی اور غیر سیاسی تنظیمیں اس اہم قومی مسئلہ پر اپنے ردِ عمل کا

ولی خان، وقت کا تقاضا، نوشتہ دیوار

اظہار کر چکی ہیں یہاں تک نیم جان قیوم خان بھی اپنی تشویش ظاہر کر چکے ہیں.

پچھلے دنوں ان ہی عوامل کے خلاف مشترکہ جدوجہد کے لئے مشترکہ پلیٹ فارم کی تشکیل کے لئے کراچی راولپنڈی سے کئی معروف شخصیتیں سرحد آئیں. پاکستان کے مزدور رہنما نبی احمد آئے، تو یار لوگوں نے ان سے طویل جلسے کر کے متحد ہونے کی کوششوں کو عملی جامہ پہنانے کے امکانات کا جائزہ لیا. قاضی محمد انور سرحد کے جانے پہچانے مزدور کسان رہنما ہیں، نے اس ضرورت پر زور دیا کہ ایک پلیٹ فارم کے بغیر کسی جدوجہد کا کامیاب ہونا مشکوک ہی نہیں، ناممکن بھی ہے. نبی احمد کے بعد ایس پی لودھی اعزاز نذیر لاہور سے قومی مزدور محاذ کے مرکزی صدر چودھری محمد اکرام، راولپنڈی سے قومی مزدور محاذ پنجاب کے رہنما محمد صادق ورٹائیچ مزدور رہنما چودھری عطاالحق اور کئی دوسرے معروف رہنماؤں نے سرحد کو عزت بخشی یہ امر خارج از امکان نہیں کہ سرحد کی سب سے بڑی اور کسانوں میں با اثر تحریک مزدور کسان پارٹی سرحد میں ایک نئے اتحاد کو جنم دے جس میں تمام بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے لوگ ایک مشترکہ جدوجہد کو رواج دینے کے لئے جمع ہو سکیں. کہ وقت کا تقاضا بھی ہے اور نوشتہ دیوار بھی.

چند لوگوں کی ضمانت پر رہائی کا انعام

مسئلہ بلوچستان کا حل نہیں: بزنجو

۱۰ دسمبر ۱۹۷۷ء کو حیدرآباد جیل میں مسٹر غوث بخش بزنجو سے ملاقات کے دوران انہوں نے مجھ سے بی بی سی سے نشر ہونے والے چند تبصروں اور قومی اخبارات میں شائع ہونے والی رپورٹوں پر گہری تشویش کا اظہار کیا ہے جس کی وجہ سے عوام کے ذہنوں میں الجھاؤ پیدا ہو سکتا ہے اور میر صاحب اور ان کے ساتھیوں کے ضمانت پر رہا ہونے کے فیصلے کو غلط معنی پہنائے جا سکتے ہیں. مسٹر بزنجو نے مجھ سے کہا کہ قومی مفاد میں یہ ضروری ہے کہ اخبارات کے ذریعے صحیح صورت حال واضح کی جائے. اور میں اس معاملے کے بارے میں میر صاحب کے خیالات کی وضاحت کے لئے یہ بیان جاری کر رہا ہوں

فروری ۱۹۷۳ء میں بلوچستان کی منتخب نمائندہ حکومت کی غیر آئینی اور غیر جمہوری برطرفی بلوچستان کے عوام کی اپنے جمہوری حقوق کی بحالی کے لئے سیاسی جدوجہد کا سبب بنی

سابقہ حکومت نے جوابی اقدام میں بلوچستان میں فوجی کارروائی شروع کی جس کے دوران سینکڑوں بے گناہ مرد، عورتیں، اور بچے ہلاک ہوئے. کئی گاؤں تباہ کر دیئے گئے. سینکڑوں خاندان بے خانماں ہوئے. لوگوں کی ایک بڑی تعداد اپنے گھروں کو چھوڑ کر ملک کے دوسرے علاقوں میں پناہ لینے، روپوش ہونے یا سرحدوں کے پار فرار ہونے پر مجبور ہوئی. کئی جیل میں بند کر دیئے گئے. بھٹو حکومت اب باقی نہیں رہی لیکن بلوچستان میں بے خانماں خاندان اب بھی بے خانماں ہیں. گھر چھوڑ کر جانے والے لوگ خانہ بدوش ہیں یا ملک کے اندر یا ملک سے باہر روپوش ہیں. جن لوگوں کو جیلوں میں ڈالا گیا تھا وہ اب بھی جیلوں میں ہیں کئی لوگوں کے خلاف جاری کردہ وارنٹ گرفتاری ابھی تک موثر ہیں. بلوچستان کے اس گمبھیر پس منظر میں حالات کو معمول پر لانے کی کوئی کوشش صرف اسی صورت میں بامعنی ہو سکتی ہے جب کہ ایسی کوشش بلوچستان میں ایک ہمہ گیر سیاسی تصفیئے کے وسیع دائرے میں کی جائے جس کا مقصد مذکورہ بالا صورت حال کو ختم کرنا ہو ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لئے، جس کا وعدہ موجودہ حکومت نے کر رکھا ہے. آغاز کے طور پر مزید کوشش صرف اسی صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے جب کہ سابقہ حکومت کے بلوچستان میں غیر آئینی اور غیر جمہوری اقدامات کے نتائج کو مٹا دیا جائے.

حیدرآباد سازش مقدمے کے چند یا تمام اسیروں کی ضمانت پر یا کسی دوسرے طریقے سے رہائی اصل مسئلہ نہیں ہے. اگر مقصد یہ ہے کہ عوام میں اعتماد بحال کیا جائے اور بلوچستان میں صورت حال معمول پر لائی جائے تو اس کے لئے حیدرآباد جیل کے چند قیدیوں کی ضمانت پر رہائی قطعی ناکافی ہے. ضرورت اس امر کی ہے کہ سابقہ حکومت نے بلوچستان میں جو اقدامات کئے وہ واپس لئے جائیں اور ان اقدامات کے نتیجے میں بے انتہا مصائب برداشت کرنے والے عوام کی شکایات دور کی جائیں اور ان کے مسائل حل کئے جائیں. بہ یک وقت یہ اقدامات کئے بغیر ہم میں سے چند کی رہائی کا صرف یہ مطلب ہوگا کہ ہمیں نکال کر ایک بیاباں میں چھوڑ دیا جائے جہاں ہم نہ تو بلوچستان میں صورت حال کو معمول پر لانے کے سلسلے میں کچھ کر سکتے ہیں نہ ہی ملک میں جمہوریت کی بحالی میں کسی طرح معاون ہو سکتے ہیں. بلوچستان کے عوام جنہوں نے بھٹو کی آمرانہ حکومت کے خلاف سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا اور بالآخر ملک گیر جدوجہد کے ذریعے اس کا تختہ الٹنے کا راستہ ہموار کیا اور اس راہ میں ناقابل بیان قربانیاں دیں، بھٹو حکومت کے خاتمے کے بعد بجا طور پر بلوچستان میں سیاسی تصفیئے کی توقع کرتے رہے ہیں. وہ شدید مایوسی کا شکار ہوں گے. اگر انہیں صرف ہم میں سے چند لوگوں کی ضمانت پر رہائی کا انعام دیا جائے.

مسٹر بزنجو یقین رکھتے ہیں کہ پاکستان میں جمہوری عمل کی بحالی بلوچستان میں سیاسی تصفیئے سے شدید طور پر منسلک ہے کیونکہ بلوچستان کی موجودہ صورت حال سابقہ حکومت کے غیر آئینی اور غیر جمہوری اقدامات کا نتیجہ ہے. اگر موجودہ حکومت پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کے تسلیم کردہ مقصد میں مخلص ہے تو اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بلوچستان میں سابقہ حکومت کے اقدامات کے نتائج کو ختم کرے اور یہ صرف بلوچستان کے مسئلے کے ہمہ گیر سیاسی تصفیئے کے ذریعے ہی ممکن ہے جس وقت تک بلوچستان کے عوام کی زندگیوں اور یادداشت میں ان اقدامات کے المناک نتائج باقی رہیں گے حکومت حصول مقصد کی توقع نہیں کر سکتی. ہم میں سے چند لوگوں کی ضمانت پر رہائی نہ تو ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے نہ ہی بھٹو کی آمریت کے خلاف جدوجہد کی سربراہی کرنے اور جمہوریت کے لئے جدوجہد میں پہل قدمی کرنے والے بلوچستان کے عوام کی توقعات کو پورا کرتی ہے. اس سے صرف ان کی مایوسیوں میں مزید اضافہ ہوگا اور پاکستان میں جمہوری عمل میں رکاوٹ پڑے گی.

مسٹر غوث بخش بزنجو اور ان کے چند رفقاء کے ضمانت پر رہا ہونے سے اتفاق نہ کرنے کے فیصلے کے یہ اسباب ہیں. ان کے فیصلے کو کوئی اور اہمیت دینا یا کوئی اور معنی پہنانا غیر متعلق اور نامناسب ہے.

افراسیاب خٹک سے انٹرویو

نمائندہ خصوصی

افراسیاب خٹک نیشنل پروگریسو پارٹی کے سیکرٹری جنرل ہیں، نوجوان، خوش گفتار، شعلہ بیاں مقرر اور صوبہ سرحد کے طلبا اور نوجوان نسل کے دلوں کی دھڑکن۔

افراسیاب خٹک پشاور یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں، انہوں نے انگریزی ادب میں ایم۔اے کیا، زمانہ طالب علمی میں طلبا کی سیاست میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے بھی صدر رہے۔ ان کے دور صدارت میں پی ایس ایف نے صوبہ سرحد میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ مقبول طلبا تنظیم بننے کا اعزاز حاصل کیا۔ اور پشاور یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلبا کو زبردست شکست دی۔

پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن کالعدم نیپ کی طلبا تنظیم سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے جب نیپ پر عتاب نازل ہوا۔ اور کالعدم نیپ کی قیادت اور کارکنوں کے خلاف مقدمات قائم کئے گئے۔ پکڑ دھکڑ ہوئی۔ تو افراسیاب خٹک کو بھی متعدد مقدمات میں ملوث کیا گیا جن میں سے کوئی بھی الزام عدالت میں ثابت نہ ہو سکا۔ پھر ان کو پابند سلاسل کر دیا۔ ان پر بم کیس بنایا اور پھر حیدرآباد سازش کیس میں ملوث کر دیا گیا۔ کچھ عرصے قبل خرابی صحت کی بنا پر ضمانت پر رہا ہوئے۔ باقاعدہ طور پر قومی سیاست میں حصہ لینے کے لئے این ڈی پی پروگریسو میں شامل ہو گئے۔ ماہ رواں کے پہلے ہفتے میں لاہور میں پارٹی کا کونسل اجلاس ہوا جس کے ایک فیصلے کے تحت این ڈی پی پروگریسو کا نام تبدیل کر کے نیشنل پروگریسو پارٹی رکھا گیا۔ اور افراسیاب خٹک کو اس کا سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا۔ گزشتہ دنوں پارٹی کے تنظیمی کاموں کے سلسلے میں وہ کراچی آئے۔ اور کراچی میں ہم نے ان سے تفصیلی انٹرویو لیا۔

الفتح: نواب خیر بخش مری، میر غوث بخش بزنجو، شیر محمد مری اور گل خان نصیر جن کی مقدمہ سازش میں ضمانت منظور ہو چکی تھی، ضمانت پر رہا ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ آپ بھی اسی مقدمے میں ملوث ہونے کی وجہ سے ان بلوچ رہنماؤں کے ساتھ جیل میں رہ چکے ہیں، اس لئے ان کے خیالات جانتے ہوں گے۔ آپ کے خیال میں انہوں نے ضمانت پر رہا ہونے سے کیوں انکار کیا ہے؟

افراسیاب: اصل تنازعہ چند بلوچ رہنماؤں کی رہائی نہیں، بلکہ بلوچستان کا مسئلہ ہے۔ بلوچ رہنما چاہتے ہیں کہ پہلے بلوچستان کا مسئلہ حل کیا جائے حقیقت یہ ہے۔ کہ بلوچستان کے مسئلے کا کبھی بھی سنجیدگی سے جائزہ نہیں لیا گیا اور نہ ہی اسے حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ دیگر تضادات کے ساتھ ساتھ بلوچستان کا ایک نمایاں تضاد یہ بھی ہے کہ بلوچ عوام پاکستان کے سب سے زیادہ محروم باشندے ہیں۔ وہ تمام جمہوری اور شہری حقوق سے محروم ہیں۔ آج کل جو بلوچ لیڈر اور سیاسی کارکن پس دیوار زنداں ہیں۔ ان کا "جرم" یہ ہے کہ وہ اپنے صوبے کے عوام کے جمہوری حقوق کے لئے کوشاں تھے۔ اور اپنی محرومیت کے خلاف جدوجہد کر رہے تھے وفاقی حکومت نے بلوچستان میں غیر جمہوری انداز میں مداخلت کی اور فوجی کارروائی کی جس سے سیاسی مسئلہ پیدا ہو گیا۔ گزشتہ ساڑھے چار برسوں میں بے پناہ لوگ مارے گئے۔ مویشی چھین لئے گئے، کافی لوگ پہاڑوں پر جا کر مزاحمت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ہزاروں لوگ بلوچستان سے نقل مکانی کر گئے۔ بیرون ملک چلے گئے۔ بعض پاکستان کے دیگر صوبوں میں چلے گئے۔ بلوچستان میں آج بھی بے شمار افراد جیلوں میں بند ہیں۔ ان حالات میں چند رہنماؤں کی ضمانت پر رہائی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بلوچستان کا مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک بلوچ عوام کے بارے میں حاکمانہ رویہ ترک کر کے ان کے ساتھ مساویانہ پاکستانی شہریوں جیسا سلوک نہیں کیا جاتا۔

الفتح: پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا صدر رہنے کی وجہ سے آپ کے بارے میں یہ تاثر عام تھا کہ آپ ولی خان اور کالعدم نیپ کے حامی ہیں لیکن نیشنل پروگریسو پارٹی میں آپ کی شمولیت اس تاثر کی تردید کرتی ہے۔ کیا آپ اس کی وضاحت کرنا پسند کریں گے؟

افراسیاب: میں نیپ کا کبھی رکن نہیں رہا۔ مقدمہ سازش میں گرفتاری سے قبل پی ایس ایف کا رکن تھا اور اب جب تعلیم سے فارغ ہوا۔ تو قومی سیاست میں حصہ لینے کے لئے ایک پلیٹ فارم کی ضرورت تھی۔ جہاں سے اپنے نظریات کے مطابق سرگرمیاں جاری رکھ سکوں نیشنل پروگریسو پارٹی کا منشور اور پروگرام میرے نظریات اور خیالات کے مطابق تھا۔ اس لئے اس میں شامل ہو گیا۔

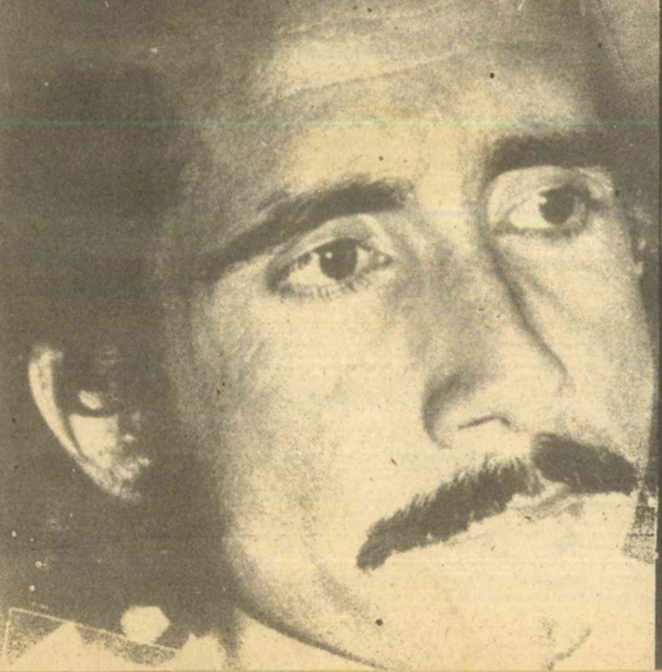

بلوچستان کا مسئلہ حل ہوا تو بلوچ رہنما رہا ہونگے

افراسیاب خٹک

آئندہ الیکشن میں بائیں بازو کی جماعتوں کا ساتھ دیں گے

الفتح: نیپ پر پابندی کے بعد این ڈی پی تشکیل دی گئی۔ اور اسے سیاسی حلقوں میں نیپ کے جانشین کی حیثیت سے دیکھا جاتا رہا۔ پھر این ڈی پی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ این ڈی پی اور این ڈی پی پروگریسو۔ اس تقسیم کا سبب کیا تھا؟

افراسیاب: نیپ کا وجود ۱۹۵۷ء میں عمل میں آیا۔ اس کی حیثیت چھوٹے صوبوں کے ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں، شہری دانشوروں، جمہوریت پسندوں، محنت کشوں کے نمائندوں اور ترقی پسندوں کے ایک متحدہ محاذ کی سی تھی۔ اس کا مقصد ایک ایسی متبادل قیادت کو پیدا کرنا تھا۔ جو قومی جمہوریت قائم کر سکے۔ نیپ کی تشکیل نے حکمران طبقات اور سامراجیوں کو بوکھلا دیا۔ نیپ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خائف ہو کر حکمران طبقات نے الیکشن کروانے کی بجائے اکتوبر ۱۹۵۸ء میں ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ دورِ ایوبی میں نیپ کی صورت میں قائم متحدہ محاذ کئی گروہوں میں منقسم ہو گیا۔ یحییٰ خان کے زمانے میں ون یونٹ کی تنسیخ ہوئی۔ دسمبر ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے بعد حکمران طبقات نے اس متحدہ محاذ (نیپ) میں شامل چھوٹے صوبوں کے ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں کو صوبائی حکومتیں دینے اور ان صوبوں میں سرمایہ دارانہ عمل برقرار رکھنے میں امداد دینے کی ترغیب اور لالچ دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب حکمران طبقات نے مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کی۔ تو چھوٹے صوبوں کے ان ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں اور ان کے نمائندوں نے مجرمانہ خاموشی اختیار کر لی۔ بات اس پر ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ بعد میں پیپلز پارٹی سے صوبائی حکومتیں لینے کے لئے معاہدے کئے گئے۔ کراچی میں مزدوروں پر فائرنگ ہوئی۔ لیکن اس قتل عام پر خاموشی اختیار کر کے حکمران طبقات کے ساتھ یک جہتی کا اظہار کیا۔ اپنے صوبوں میں اردو کو سرکاری زبان بنا کر حکمران طبقات کو خوش کرنے کی کوشش کی اور ایسے آئین پر دستخط کئے جس میں نہ تو عوام کے جمہوری حقوق کی ضمانت دی گئی تھی اور نہ ہی مکمل صوبائی خود مختاری۔

پھر رجعت پسند جماعتوں کے ساتھ ایسے پروگرام اور مقاصد کے تحت متحدہ جمہوری محاذ میں شامل ہوئے جس میں عوامی مسائل اور ان کے حل کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ اس پر ستم یہ کہ سامراج دوستی کا چلن اختیار کیا گیا۔

نیپ پر پابندی لگنے کے بعد ان لوگوں کو اس پروگرام سے دامن چھڑانے کا موقع مل گیا جو کسی نہ کسی حد تک ان کو

ترقی پسند این۔ ڈی۔ پی سے کیوں علیحدہ ہوئے

حکمران طبقات یا برسر اقتدار طبقے کے ساتھ اشتراک سے روکتا تھا۔ نیپ پر پابندی کے بعد انہوں نے کھلم کھلا رجعت پسند اور عوام دشمن سیاست کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ اس گروہ کی رجعت پسندی کے خلاف اختلافات جب انتہائی شکل اختیار کر گئے۔ تو ترقی پسند سیاست کے حامی علیحدہ ہو گئے اور این ڈی پی پروگریسو تشکیل دی۔

الفتح: این ڈی پی پروگریسو کا نام نیشنل پروگریسو پارٹی کیوں رکھا گیا۔ نام کی تبدیلی کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

افراسیاب: این ڈی پی پروگریسو اور این ڈی پی میں ناموں کے اعتبار سے بڑی مماثلت تھی۔ مماثلت کی وجہ سے بعض اوقات غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی تھیں۔ اس لئے ہم نے نام تبدیل کر دیا۔

الفتح: آپ کی پارٹی کے منشور کے وہ کون سے نکات ہیں جو این ڈی پی سے مختلف ہیں؟

افراسیاب: ہماری پارٹی کا منتہائے مقصد سوشلزم کا قیام ہے۔ سوشلسٹ سماج کے قیام کے لئے قومی جمہوریت کا راستہ اپنایا جائے گا۔ ہماری جماعت کے پروگرام کی بنیادی خصوصیت سامراج اور جاگیردار دشمنی ہے ہم سیکولرازم کے حامی ہیں۔ علاوہ ازیں ہمارے پروگرام میں قومی ترقی کا غیر سرمایہ دارانہ راستہ اختیار کرنا، محروم اور کچلے ہوئے طبقات کے معاشی مسائل کو اولیت دینا، مہنگائی اور روزگار کا مسئلہ حل کرنا، مکمل صوبائی خود مختاری کے ساتھ پاکستان میں حقیقی معنوں میں وفاقی پارلیمانی طرزِ حکومت کو تشکیل دینا آزاد خارجہ پالیسی خصوصاً ہمسایہ اور سوشلسٹ ملکوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا ہے۔

الفتح: ملک کی موجودہ صورت حال کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

افراسیاب: حکمران طبقات فرسودگی کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ غیر معمولی قوانین اور برہنہ طاقت کے ذریعے حکومت کر رہے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عوام ان کے ساتھ نہیں۔ اس لئے عوام کے سروں پر مسلط رہنے کا کوئی سیاسی، اخلاقی اور نظریاتی جواز نہیں۔ میرے خیال میں ملک ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہے جہاں سے ایک راستہ قومی جمہوری انقلاب کی طرف جاتا ہے اور دوسرا راستہ فاشزم کی جانب، اگر محنت کش طبقات اور ان کے اتحادی انقلابی عزم کے ساتھ جدوجہد کر کے اس فرسودہ نظام کا تختہ الٹ دیں۔ تو اس نظام کا مکمل خاتمہ ہو سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے روس کے عوام نے فرسودہ اور بوسیدہ زار شاہی کا خاتمہ کیا تھا لیکن اگر محنت کش طبقات اور ان کے اتحادیوں نے اپنے تاریخی فرض میں کوتاہی برتی تو ملک میں فاشزم آنے کا امکان ہے جیسے اٹلی میں عوامی تحریک منظم نہ ہونے کی وجہ سے میسولینی کی قیادت میں فسطائیت کا دورہ آیا۔ قابل غور

(باقی صفحہ ۳۹ پر)

مولانا کوثر نیازی کی انکساری

مولانا کوثر نیازی پشاور کے ایک استقبالیہ میں تقریر کر رہے تھے۔ انہوں نے جب کہا کہ

"گالیاں دینا ہمارا شیوہ نہیں یہ پاک بازوں کا کام ہے۔ گالیاں اتحاد والوں کو زیب دیتی ہیں جنہیں پاکبازی کا دعویٰ ہے۔ ہم گنہگار لوگ ہیں میں کہتا ہوں میں گناہگار آدمی ہوں۔

اچانک پیچھے سے کسی کارکن نے آواز دی۔

"تب ہی تو باہر ہیں ورنہ جیل میں ہوتے۔"

یہ کراچی ہے

احتساب صرف جمہوریت میں ہو سکتا ہے: نصر اللہ

شبیہ الحسن

نیا آئین بنایا گیا تو بڑی تباہی ہو گی

ون یونٹ قائم نہیں ہو سکتا

نوابزادہ نصراللہ خاں سے ہماری پہلی ملاقات تھی۔ جہانگیر روڈ کے ایک چھوٹے سے کوارٹر کے صحن میں بیٹھے ہوئے تاریخی حقہ "گڑگڑا" رہے تھے آس پاس چند کرسیاں پڑی تھیں جن پر پی ڈی پی کے کارکن اور ان کے نیاز مند بیٹھے ہوئے تھے ہم جب اندر داخل ہوئے تو انہوں نے بڑی نفیس مسکراہٹ سے استقبال کیا۔ اور اٹھ کر ہاتھ ملایا خیریت دریافت کی۔ انداز ایسا تھا جیسے برسوں کی شناسائی تھی۔ ہمارے لئے کرسیاں خالی کردی گئیں۔ انہوں نے کہا آپ لوگ قریب آجائیں تاکہ بات چیت میں آسانی رہے۔" ہم انہیں گھیر کر بیٹھ گئے۔

انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ مخلوط طریقۂ انتخاب میں خرابی یہ ہے کہ اقلیتوں کے نمائندوں کا انتخاب INDIRECT ہوتا ہے اور ہمیشہ برسرِ اقتدار پارٹی کے نامزد امیدوار منتخب ہوتے ہیں چنانچہ امیدوار اپنے حلقۂ انتخاب کے باشندوں کی بجائے برسرِ اقتدار پارٹی کی خوشنودی میں لگے رہتے ہیں اس سے اقلیتوں میں بے چینی اور یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اسمبلی میں ان کی نمائندگی نہیں ہوتی اصل مسئلہ کاروبار مملکت میں شرکت کا احساس ہے۔ مخلوط طریقۂ انتخاب میں حکومت میں شرکت کا احساس پیدا نہیں ہوتا جب کہ جداگانہ انتخاب میں اقلیتوں کے دل میں کاروبار مملکت میں شریک ہونے کا جذبہ مستحکم ہوتا ہے۔ اصغر خاں مخلوط طریقۂ انتخاب کی حمایت اور جداگانہ انتخاب کی مخالفت محض اس بنا پر کر رہے ہیں کہ شاید انہیں اقلیتوں کے ووٹ حاصل ہوجائیں لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے۔ اقلیتوں کے ووٹ قومی اتحاد کو ملیں گے۔"

انہوں نے کہا کہ ویسے جداگانہ انتخاب کا ابھی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ صرف فلر چھوڑا گیا ہے بالکل اسی طرح جس طرح صدارتی نظام اور یہ پروپیگنڈہ کہ اسلام میں حزب اختلاف کا کوئی تصور نہیں ہے یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ اہم قومی امور کے بارے میں بھی سنجیدگی سے باتیں نہیں کی جاتیں۔ صدارتی نظام اپنانے کا مطلب یہ ہے کہ نیا آئین بنایا جائے آئین بنانا بچوں کا کھیل نہیں۔ امریکہ میں اگر اب آئین بنانے کی کوشش کی جائے تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آئین بنانا بہت مشکل ہو جائے گا۔ شمال اور جنوب کا مسئلہ سفید اور سیاہ فام کا تنازعہ ریاستوں اور مرکز کے اختیارات کی تقسیم کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض ریاستیں وفاق میں شامل ہونے کے لئے تیار ہی نہ ہوں۔ اگر پاکستان میں آئین کے بنیادی ڈھانچہ میں تبدیلی کی گئی تو سب سے اہم مسئلہ صوبائی خود مختاری کا ہوگا۔ یہ بہت نازک مسئلہ ہے اور سب سے زیادہ اختلاف اسی مسئلہ پر پایا جاتا ہے۔"

انہوں نے کہا کہ ون یونٹ کے قیام یا صوبوں کو ختم کرنے کی بات ہو رہی ہے۔ ون یونٹ موجودہ پاکستان میں ہو ہی نہیں سکتا چونکہ دوسرا صوبہ تو بنگلہ دیش بن چکا ہے اب صوبوں کے خاتمہ کا مطلب وفاقی طرز حکومت کی بجائے وحدانی طرز حکومت ہوگا۔ بالفاظ دیگر نیا آئین بنانا پڑے گا اور نئے آئین کی تدوین بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں صوبوں کی خود مختاری کا مسئلہ طے ہوچکا ہے۔ دوبارہ پنڈورا بکس کھولا گیا تو بڑی تباہی کے امکانات ہیں۔"

انہوں نے کہا کہ آج کل احتساب کی بڑی باتیں ہو رہی ہیں ہر طرف احتساب احتساب کا غلغلہ ہے لیکن کوئی یہ نہیں سوچتا کہ انتخاب احتساب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ احتساب صرف جمہوریت ہی میں ہوسکتا ہے۔ پارلیمنٹ میں بحث و مباحثہ، تقریریں، تحریک التوا اور تحریک استحقاق دراصل حزب اقتدار کے احتساب کے لئے ہی ہوتی ہیں جمہوریت ہو تو پریس آزاد ہوتا ہے آزاد پریس سب سے زیادہ محاسبہ کرتا ہے کیونکہ خبر اس وقت تک نہیں بنتی جب تک اس میں ٹانگ نہ گھسیٹی جائے پریس تو ہر روز احتساب کرتا ہے۔ الیکشن بھی احتساب کی ایک شکل ہے۔ سارا کچا چٹھا انتخابی مہم کے دوران نکال دیا جاتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ

ساھیوال • الفتح رپورٹ

پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو جھوٹے مقدمات میں ملوّث کیا جارہا ہے

پیپلز پارٹی ساہیوال شہر کے کارکنوں اور حامیوں کو ہراساں کیا جارہا ہے۔ اور انہیں جھوٹے مقدمات میں ملوّث کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ ان خیالات کا اظہار غلہ منڈی ساہیوال پیپلز پارٹی کے صدر ڈاکٹر ایس ایم سردار نے کارکنوں سے گفت و شنید کرتے ہوئے کیا۔ ڈاکٹر سردار نے کہا کہ کچی آبادیوں کے باشندے پیپلز پارٹی کے سب سے زیادہ حامی ہیں کیونکہ ہمارے کارکن ان کے خادم ہیں۔ اور انہوں نے حقیقی معنوں میں ان کی خدمت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولوی بشیر احمد امام مسجد کے بیٹے انوار الحق کے قتل کی ہم مذمت کرتے ہیں۔ ہم قتل و غارت گری اور غنڈہ گردی کے خلاف ہیں لیکن قومی اتحاد والے اس قتل کو سیاسی رنگ دے رہے ہیں۔ تاکہ پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو پریشان اور ہراساں کیا جاسکے۔ ڈاکٹر سردار نے ضلعی انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ وہ انوار الحق کے قاتلوں کو جلد از جلد گرفتار کرے اور انہیں قانون کے مطابق سزا دے۔

سب سے پہلے انتخابات کرائے جائیں احتساب تو ہوتا رہے گا۔ جو لوگ احتساب کی خاطر انتخاب کو معرض التوا میں ڈالنا چاہتے ہیں، وہ جمہوریت کی کی کوئی خدمت نہیں کر رہے ہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ وہ جمہوریت کو قتل کر رہے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ اس عبوری مدت میں بنیادی اہمیت جمہوریت کی بحالی کو حاصل ہونی چاہیئے۔"

انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ مارشل لا مسائل کا حل نہیں ہے۔ اس ملک میں تین مرتبہ فوج اقتدار میں آئی کیا قوم کے مسائل حل ہوگئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جلد سے جلد انتخابات کرائے جائیں اور بھٹو حکومت کے دوران جو جمہوری اور قومی ادارے پامال ہوگئے ہیں ان کو سر نو زندہ اور مستحکم کیا جائے۔ ماضی میں جمہوریت کی تباہی کی ذمہ داری مسلم لیگ پر عائد ہوتی ہے۔ مسلم لیگ کو عوام کی سیاسی جماعت کی حیثیت سے مستحکم نہیں کیا گیا۔ لیاقت علی خان کے زمانے میں مسلم لیگ کی صدارت اور وزارت عظمیٰ کو یکجا کردیا گیا ایک مفلوج اور فاترالعقل گورنر نے خواجہ ناظم الدین کو جو مسلم لیگ کے صدر بھی تھے وزارت عظمیٰ سے علیحدہ کردیا۔ مسلم لیگ کی بنیادیں اتنی کمزور تھیں کہ وہ اپنے صدر کو بچانے کے لئے بھی میدان میں نہ آئی اور خاموشی سے ایک آئینی وزیر اعظم کی غیر قانونی برطرفی کا تماشا دیکھتی رہی اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلم لیگ بحیثیت سیاسی جماعت ختم ہوچکی تھی۔ محلاتی سازشوں کے ذریعے برسر اقتدار تھی اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لئے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ ایوب خان کو کابینہ میں وزیر دفاع بنایا۔ کابینہ میں شمولیت کے بعد ایوب خان کو احساس ہوا کہ سیاستداں تو بہت کمزور ہیں انہیں اپنی طاقت کا احساس ہوا وہ دوسروں کے اقتدار کا محافظ کیوں بنیں خود حکمران کیوں نہ بن جائیں چنانچہ "شیر" کے منہ میں خون لگ گیا۔"

انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ

میں سرائیکی صوبہ کے حق میں نہیں

اصغر خان نے "حفاظتی نظر بندی" (یہ حفاظتی نظر بندی کی اصطلاح بھی خوب ہے پہلی بار سننے میں آئی) کے زمانے میں قومی اتحاد سے علیحدگی کے بارے میں منصوبہ بنایا۔ ان کا خیال تھا کہ قومی اتحاد کے رہنما ملا اور رجعت پسند ہیں اور بیرونی ممالک لبرل اور آزاد خیال جماعتوں کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھول گئے کہ بیرونی امداد خواہ کتنی ہو کسی جماعت یا شخصیت کو برسر اقتدار نہیں لا سکتی جب تک اندرون ملک عوام کی حمایت حاصل نہ ہو۔"

انہوں نے کہا غور طلب بات یہ ہے کہ اصغر خاں نے غیر ملکی دورہ اس وقت کیا جب صدر سادات دورۂ اسرائیل کا پروگرام بنا چکے تھے۔ صدر سادات نے اسرائیل سے جنگ نہ کرنے اور امن سے رہنے کی باتیں کیں۔ اور اصغر خان نے کیہان انٹرنیشنل کو انٹرویو دیتے ہوئے بھارت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور جنگ کو حماقت قرار دیا۔

انہوں نے سرائیکی صوبے کے بارے میں جواب دیا کہ میں اس کے حق میں نہیں ہوں حالانکہ خود سرائیکی زبان بولتا ہوں۔ لسانی بنیاد پر صوبوں کی تشکیل کا سختی سے مخالف ہوں لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ میں علاقائی زبانوں، ثقافت کے فروغ کا مخالف ہوں میں چاہتا ہوں کہ ہر صوبے کی زبان اور ثقافت کو زیادہ سے زیادہ فروغ حاصل ہو۔"

نوابزادہ نصراللہ خاں نے جو پی ڈی پی کے سربراہ اور قومی اتحاد کے نائب صدر ہیں۔ اس سوال کے جواب میں کہ کیا بات ہے کہ ہر عوامی تحریک کے بعد مارشل لا لگ جاتا ہے۔ کہا کہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں جمہوری ادارے نہیں ہیں نہ ہی انہیں تشکیل دینے کی کوشش کی گئی۔ ۱۹۷۰ء کے بعد ملک میں جو جمہوری ادارے قائم کئے گئے ان کو مسٹر بھٹو نے اپنے آمرانہ اقتدار کے لئے تہس نہس کر دیا تھا اس لئے میں ایک بار پھر زور دوں گا کہ اس ملک کو مضبوط، مستحکم اور خوشحال بنانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلی فرصت میں جمہوریت بحال کی جائے اور جمہوری اداروں میں نئی روح ڈالی جائے۔"

نوابزادہ صاحب سے گفتگو میں رات کے گیارہ بج گئے۔ ان کی بے داغ شخصیت اور صاف ستھری باتوں میں وقت کا احساس ہی نہیں رہا۔ ہم چلنے کے لئے تیار ہوئے تو ایک بار پھر وہ کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ صبح کی فلائٹ سے لاہور جارہے ہیں۔ کراچی دوبارہ آنے کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے بڑی معنی خیز مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر ابھر آئی۔ "میرا ارادہ ہے کراچی اور اندرون سندھ کا تفصیلی دورہ کروں گا۔ دعا کیجئے کہ میں آنے کی پوزیشن میں رہوں۔"

خدا حافظ۔

خدا حافظ۔

اُردو کے ہونہار شاعر

علی سردار جعفری!

ہیر رانجھے نے ہندوستان کو فتح کرلیا

بھارت کے ممتاز ڈرامہ نگار محمد مہدی نے بتایا کہ بھارت میں اسٹیج ڈرامہ بڑی تیزی سے ترقی کررہا ہے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ فلم اور ٹی وی کی وجہ سے اسٹیج ڈراموں کی مقبولیت ختم ہوجائے گی۔ اور یہ فن دور جدید کی نئی لہروں میں گم ہوجائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اسٹیج ڈرامہ آج بھی زندہ ہے بلکہ پہلے سے زیادہ مقبول ہے۔ ایک ڈرامہ "غالب کون ہے" تیار کیا گیا۔ جسے بھارت کے مختلف حصوں میں زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ اسی طرح ہیر رانجھا اوپیرا کو بھی بڑی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ میری خواہش تھی کہ اس اوپیرا کو پاکستان میں پیش کرنے کی اجازت مل جاتی مجھے نہیں معلوم کہ پاکستان میں اسٹیج ڈرامے ہوتے ہیں یا نہیں اس لئے میں یہاں کے بارے میں کوئی رائے دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ لیکن ہندوستان کے بارے میں ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے یہاں اسٹیج ڈراموں میں نت نئے تجربات کئے جارہے ہیں۔ مہاراشٹر میں اس صنف نے بڑی ترقی کی ہے۔ بنگال میں بھی بڑے اچھے پلے تیار کئے گئے ہیں۔ وہاں کے عوام میں بہت مقبول ہیں۔ دہلی میں اسٹیج ڈرامہ کا "ہم سب ادارہ" ہے۔ جو برابر ڈرامہ اسٹیج کررہا ہے۔

انہوں نے بتایا کہ "اپٹا" انڈین پیپلز تھیٹر اکیڈمی آج بھی اس فن کی ترقی میں اہم اور نمایاں کردار ادا کررہا ہے۔ جب بھی اسٹیج ڈرامے پیش کئے جاتے ہیں تو لوگوں کی بڑی تعداد ذوق و شوق سے دیکھتی ہے۔ ہندوستان کے ترقی پسند اسٹیج ڈراموں کے ذریعے عوام کے احساسات، جذبات اور امنگوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہ فن ایک نئے اقتصادی اور سماجی نظام کے قیام میں اپنا حصہ ادا کررہا ہے۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ جہاں تک ڈراموں میں نئے رجحان کا تعلق ہے تو میں کہوں گا کہ یہ رجحان پوری قوت سے چھایا ہوا ہے کہ "جہاں رہتے ہیں وہاں کوئی ننگا اور بھوکا نہ رہے۔" انہوں نے کہا کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان فنون لطیفہ کتابوں اور ثقافتی وفود کا تبادلہ ہونا چاہیئے تاکہ پڑوسی ملک کی حیثیت سے ایک دوسرے سے واقفیت رہے۔

انہوں نے بتایا کہ ہندوستان میں اردو کا مستقبل تابناک ہے۔ اس کا اندازہ آپ فلموں سے لگا سکتے ہیں جن کی زبان اردو ہوتی ہے یہ بات بالکل غلط ہے کہ ہندوستان میں اردو ختم ہوگئی ہے یا اس کا مستقبل تاریک ہے۔"

ممتاز محقق دانشور، شاعر اور ادیب علی سردار جعفری نے کہا کہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے کہ اتنے قریب ہونے کے باوجود ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ

کتابوں کے تبادلے

سے کسی ملک کا

وجود خطرے میں نہیں پڑتا

یہاں کیا لکھا جا رہا ہے اور ہندوستان میں کون کون سی کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ یہ ایک مہلک خیال ہے کہ کتابوں کے تبادلے سے کسی ملک کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ امریکہ میں ایک کتاب چھپتی ہے تو انگلستان میں اس کی لاکھوں جلدیں فروخت ہوتی ہیں۔ اسی طرح انگلستان میں کسی شاعر، ادیب یا دانشور کی تخلیق شائع ہوتی ہے تو فوراً امریکہ پہنچ جاتی ہے۔ دونوں ممالک اپنی جگہ قائم ہیں۔ کتابوں کی اشاعت اور تبادلے سے کسی ملک کا وجود خطرے میں نہیں پڑتا۔ ایک دوسرے سے واقفیت کا عالم یہ ہے کہ یہاں اردو ادب پر ایک کتاب شائع ہوئی جس میں میرے بارے میں یہ لکھا گیا تھا کہ علی سردار جعفری اردو کے ایک ہونہار شاعر ہیں، عدم واقفیت کی بنا پر بیشتر باتیں غلط لکھی جاتی ہیں، گذشتہ ۲۵ سال کے دوران احمد ندیم قاسمی کی کوئی کتاب ہندوستان نہیں پہنچی اس طرح میری کوئی کتاب پاکستان نہیں آئی دونوں ممالک کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کو اس صورت حال کا جائزہ لینا ہوگا کیونکہ یہ معاملہ خاصا سنگین ہے

"تلخیوں کی جگہ نئی محبتیں"

سیاسی معاملات سیاستداں جانیں مگر ادب علم و دانش کی باتوں پر تو کم از کم ہمیں سنجیدگی سے سوچنا ہوگا۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ ہندوستان میں اردو، سندھی اور پنجابی میں شاندار ادب تخلیق ہو رہا ہے۔ زبان ادب اور دانشوروں کی تخلیقات مشترکہ میراث ہوتی ہیں۔ اقبال پر آپ ہی کا حق نہیں ہے ہمارا بھی حق ہے۔ وہ ہماری بھی میراث ہے۔ اگر کوئی شخص برصغیر کی مسلم تاریخ کو قلمبند کرنا چاہے تو دلی کے تاریخی مقامات اور نوادرات کا مشاہدہ کئے بغیر شاید اپنے کام کو انجام دے سکے۔ بعینہ قدیم ہندوستان کی تاریخ ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے حوالے سے ہی مکمل کی جاسکتی ہے۔"

میری تمنا ہے کہ سیاست کے حوالے سے جو تلخیاں پیدا ہوئی ہیں وہ ختم ہو جائیں۔ اور نئی محبتوں کو جگہ ملے۔ انہوں نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ ہم نے اقبال پر جو دستاویزی فلم تیار کی ہے، اس کی نمائش پاکستان میں کی جائے اور پاکستان میں اقبال پر جو فلم تیار ہوئی ہے وہ ہندوستان میں پیش کی جائے

محمد مہدی اور علی سردار جعفری نے ان خیالات کا اظہار کراچی پریس کلب کی ادبی کمیٹی کی جانب سے دیئے گئے استقبالیہ کے موقع پر کیا جس میں ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ ان کی تقاریر سے قبل پریس کلب کے صدر اشفاق بخاری نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ بعد ازاں پی ایف یو جے کے صدر اور اپینک کے چیئرمین منہاج برنا اور پاکستان کے ممتاز دانشور سید سبط حسن نے مہمانان گرامی کا تعارف کرایا۔

یہ اجتماع پریس کلب کے ٹیرس میں ہوا جب کہ سبزہ زار پر چائے اور میٹھے بسکٹوں اور پھلوں کا انتظام تھا۔ یہ ایک خوشگوار استقبالیہ تھا جس میں صحافیوں کے علاوہ کراچی کے ممتاز ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں نے شرکت کی۔ کراچی جیسے معروف شہر میں اس قسم کا اجتماع خاصا خوشگوار تاثر چھوڑتا ہے۔ بہت مشکل سے دانشور ایک جگہ اکٹھے ہو پاتے ہیں اور جب یکجا ہوتے ہیں تو خوش گپیوں کے ساتھ سنجیدہ مسائل پر بھی اظہار خیال کرتے ہیں۔ علی سردار جعفری کی ہماری صحافت کے ممتاز بزرگ نواب انور سے ملاقات ہوئی۔ تیس بتیس سال کے بعد یہ ملاقات تھی۔ تعارف کا رسمی مرحلہ آگیا مگر جب انو بھائی پہچان میں آئے تو سردار جعفری نے انہیں گلے سے لگا لیا۔

صحافیوں کی خواہش تھی کہ سردار جعفری اور مہدی سے بھیڑ سے ہٹ کر ملاقات کی جائے تاکہ بھارت کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی مسائل کے متعلق واقفیت حاصل ہو سکے لیکن یہ موقع نہ مل سکا۔ صرف تقریر کے دوران تنہا نظر آئے باقی تمام وقت میں ڈاکٹر عالیہ امام سائے کی طرح ان کے ساتھ ساتھ رہیں۔ زیادہ تر گفتگو ان ہی کے درمیان ہوتی رہی اگر کسی دوسرے نے کوشش کی تو درمیان میں "کمیل کی دیوار" حائل ہوگئی۔ پھر ان کے رشتہ داروں اور واقف کاروں کی بھی ایک کھیپ ساتھ ساتھ تھی۔ سردار جعفری مخصوص انداز میں اپنی زلفوں میں انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے پُرجوش مسرت سے کہتے۔ "اری تم ۔ او ہو تم بھی آگئے تم کہاں ہو بھئی۔" وغیرہ وغیرہ۔ محسوس یہ ہوا کہ وہ پاکستان میں ہندوستان کی جھلک دیکھ رہے ہیں۔

خبر آئی ہے کہ منڈی بہاؤالدین کا ایک بکرا جنس تبدیل کرکے بکری بن گیا۔ اور موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دودھ دینے لگا۔ بقول خبر رساں ایجنسی لوگوں کے لئے تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ جسمانی طور پر اب بھی دیکھنے میں بکرا نظر آتا ہے حیرت زدگان شاید شاعر مشرق کی اس نشاندہی کو بھول گئے کہ

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

کواکب کی چال ڈھال سے ان کی اہلیت معلوم نہ ہونے کی شکایت شاعر مشرق نے بھی کی ہے لیکن انہوں نے ان کی تعداد نہیں بتائی۔ خیال اغلب ہے کہ کم از کم سات ہونگے کیونکہ کہکشاں سات ستاروں کا مجموعہ ہوتی ہے اور یہی ستاروں کا ایک معروف مجموعہ ہے۔ قدرت کے شاہکاروں کا نظارہ کرنے والے اور شاعر حوالہ بھی اسی کا دیتے ہیں جیسا کہ جواں مرگ شاعر مصطفیٰ زیدی نے اپنی محبوبہ کو اسی کے حوالے سے مشورہ دیا تھا۔

انہی پتھروں پہ چل کے اگر آسکو تو آؤ
میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

ممکن ہے کہکشاں کبھی نو ستاروں کی رہی ہو ایک ستارہ کشمیر جنت نظیر جیسے کسی خطے پر تنہا چمکنے کے لیے رہ گیا ہو اور ایک ٹوٹ گیا ہو۔ تارہ ٹوٹنا حیرت کی بات نہیں ہے آئے دن ٹوٹ کر آسمان پر ایک سیدھی لکیر کھینچتے ہوئے پنہائیوں میں گم ہو جایا کرتا ہے اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر تارا ٹوٹتے دیکھئے تو لاحول پڑھیئے۔ غالباً اسی لئے کچھ لوگ شب و روز لاحول کا ورد کرنے میں مصروف ہیں۔

لیکن ذکر تھا منڈی بہاؤالدین کے بکرے کا جو جنس بدلنے اور دودھ دینے کے باوجود بکرا نظر آتا ہے۔ یقیناً کوئی بازیگر بکرا ہوگا۔ کیونکہ کواکب اور بازیگر میں گہرا رشتہ ہے جیسا کہ حکیم الامت نے فرمایا کہ۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دھوکا دیتے ہیں یہ بازیگر کھلا

بڑا جینئس بکرا لگتا ہے صاحب جان گیا کہ اُسے قربانی یا کسی ضیافت کے لئے کھلایا پلایا جا رہا ہے اس لئے جھٹ اپنی جنس تبدیل کر ڈالی کہ دودھ دینے سے کچھ عرصے تک تو جان بچی رہے گی۔ لیکن شرعی دکان سے نابلد ہے کہ بکری

چھوٹا منہ بڑی بات

ابو ضیا اقبال

بھی چھری تلے آجاتی ہے کسی نے اسے یہ نہیں بتایا ہوگا کہ کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ اور بکری بننے کے بعد اسے بھی کبھی نہ کبھی بکرے کی ماں بننا ہے لیکن اس بکرے نے اگر بکری بن جانے کے بعد بکرا دکھائی دینے کی بازیگری دکھانا چاہی ہے تو اس کی اطلاع کے لیے اس کے مالک یعنی تماشہ دکھانے والے کے پاس اس کے علاوہ ایک عدد بندر، ایک عدد ریچھ، ایک عدد ڈگڈگی اور بچہ جمہورا بھی ہونا چاہیئے۔ بالفرض اس بکرے کے ہمراہ تماشہ دکھانے میں بندر، ریچھ اور بچہ جمہورا ہیں تو لیکن اگر انہوں نے بھی اپنی جنس تبدیل کرلی۔ اور دودھ یا بچہ دینے لگے تب کیا ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ اس کی انفرادیت اور خصوصیت کی کھال..... پیشہ ور کھالیں جمع کرنے والوں کے گودام میں پہنچ جائے۔

فرماتے ہیں شاہ فریدالحق صدر کراچی جمعیت علمائے پاکستان ایک بیان میں کہ شاہ بلیغ الدین اسلام کی کوئی اتھارٹی نہیں ہیں (روزنامہ انجام ۳۰ نومبر ۱۹۷۷ء) پھر مطالبہ کرتے ہیں کہ جس طرح مسلم لیگ کارکن شاہ بلیغ الدین کو ٹیلیویژن پر مسلسل پروگرام کرنے کے مواقع فراہم کیے جارہے ہیں اسی طرح قومی اتحاد میں شامل جماعتوں کے عالم اور جید کارکنوں کو بھی مواقع فراہم کیا جائے۔"

صاحبو! آپ اس تنازعہ میں نہ پڑیں۔ وہ بھی اتحادی یہ بھی اتحادی، وہ بھی اسلامی نظام کے داعی، یہ بھی، وہ بھی شعائر کے مبلغ، یہ بھی، وہ بھی عالم دین یہ بھی اور پھر وہ بھی شاہ، یہ بھی شاہ۔ بات صرف اتنی ہے کہ بقول ناظم رامپوری ؎

میرا ان کا معاملہ ناظم
کچھ جدا جنگ و آشتی سے ہے۔

اور یہ معاملہ اس لیئے کہ ایک شاہ عمامے میں ہے اور دوسرا جناح کیپ میں۔ ایک جمعیت کے کیمپ میں ہے دوسرا لیگ کے۔ ایک عالم مسند پر، دوسرا اسلم تخت پوش پر۔ اس لیئے جناح کیپ اور لیگ والا مومن اسلام پر اتھارٹی نہیں ہے۔ غالباً یہ بھی کوئی کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی (کے ڈی اے) یا واٹر اینڈ پاور ڈویلپمنٹ اتھارٹی (واپڈا) قسم کی کوئی شے ہے جس کا اپنا مخصوص شعبہ ہے اور ایک شعبے کی اتھارٹی دوسرا شعبہ تسلیم نہیں کرتا ہے مشورۃً عرض ہے کہ اتحادی آپس میں شعبے بانٹ لیں۔ کیونکہ آئے دن کسی نہ کسی بات پر ٹھنا ہوتا رہتا ہے۔ کم از کم پانچ سال تک تو کھینچی رہے۔ خواہ نظام مصطفیٰ آئے نہ آئے۔ کاروبار اطمینان اور سکون سے چالو تو رہے گا۔ راقم الحروف کے خیال میں تقسیم کار کچھ یوں مناسب رہے گی۔

مسلم لیگ: انتخابی مہم کے داؤ پیچ

جماعت اسلامی:- پبلسٹی سیل علیات اور ہر قسم کی کھالیں جمع کرنا۔

جمعیت علماء اسلام:- معاشیات و اقتصادیات کی اسلامی اصطلاحات کی تدوین و ترویج۔

جمعیت علماء پاکستان:- سابق حکومت کے غیر اسلامی اور اور غیر اخلاقی کاموں کی چھان پھٹک اور ان کی تشہیر

این ڈی پی:- صوبائی خودمختاری برقرار رکھتے ہوئے مضبوط مرکز کی اہمیت قائم رکھنا۔

خاکسار تحریک:- عسکری طاقت کا وقتاً فوقتاً مظاہرہ۔

پی ڈی پی:- اپنے ایک لیڈر کے ساتھ اتحاد میں سب جماعتوں کی برابر برابر نمائندگی کو برقرار رکھنا۔

سردار قیوم تو کشمیر کی تعلقداری لے کر الگ تھلگ بیٹھے ہی ہیں لہذا ان کی پارٹی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے تمام امور کشمیر ان کی پارٹی کو تا اطلاع ثانی تفویض رہیں۔

صوبہ سندھ کے چیف سیکرٹری جناب مسعود زمان نے سرکاری محکموں کے اعلیٰ افسروں کو تلقین کی ہے کہ وہ فرض شناسی، مستعدی اور ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دیں۔ اور اپنے ماتحتوں کو اپنی کارکردگی سے متاثر کریں۔ (انتظامی سیکرٹریوں کے اعلیٰ سطحی اجلاس سے خطاب)

یہ ٹیپ ریکارڈ گذشتہ تیس برسوں سے چل رہا ہے اب اسے بند ہو جانا چاہیئے کہ ہر سطح پر تطہیر ہو رہی ہے بدعنوانیوں کا قلع قمع کیا جا رہا ہے اور پاک و صاف اسلامی معاشرے کی آمد آمد ہے استاد نسیم دہلوی نے نہ جانے کس بات کی طرف اشارہ کیا ہے

عروس فکر رنگیں کو خیال آیا جو تزئین کا
شگاف خامہ شانہ بن گیا زلف مضامین کا

اب افسر شاہی کو حکومت وقت کے ساتھ تھوڑی سی رعایت برتنی چاہیئے کہ وہ فرض شناسی اور ایمانداری کی تلقین کا ٹیپ ریکارڈ بدستور پلے کر کے سابقہ حکومتوں کی طرح شرمندہ نہ ہو یا حکومت کو چاہیئے کہ وہ حضرت مومن کی نصیحت پر عمل کرے ؎

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ۔

اور افسروں کو ہدایات جاری کریں کہ وہ فرض شناسی اور ایمانداری کو قطعاً پاس نہ پھٹکنے دیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ افسران اپنی روایات کے مطابق اس کے برعکس کرنے لگیں گے۔ البتہ ایک بات رہ جاتی ہے کیا افسران والا تبار کی غیر تسلیم شدہ تنظیم "پاکستان چل تو ڑ پارٹی" کو آئینی تحفظ نہیں دیا جاسکتا۔؟

یوم جمہوریت کے موقع پر بلوچستان کے سیاسی حل کا مطالبہ ضروری ہے

پیپلز پارٹی کو نظر انداز کر کے گول میز کانفرنس قومی یکجہتی کا مقصد حاصل نہیں کر سکتی

پیکر نقوی

سیاسی حلقوں میں ان دنوں دو موضوعات بحث کا مرکز بنے ہوئے ہیں، یوم جمہوریت اور گول میز کانفرنس، یوم جمہوریت منانے کا فیصلہ پیپلز پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے کیا ہے جب کہ گول میز کانفرنس طلب کرنے کی تجویز جناب ولی خان نے اپنی رہائی کے بعد پیش کی ہے۔

پیپلز پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے ۵ جنوری منانے کے سلسلے میں جو قرارداد منظور کی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ملک میں بڑھتی ہوئی گرانی مزدوروں کی چھانٹی، کسانوں کی بے دخلی اور زرعی اجناس کم قیمت پر خریدنے کی کوششوں کی وجہ سے ملک میں عام بے چینی پھیلی ہوئی ہے اس سے ملک کو سنگین خطرات لاحق ہو سکتے ہیں اس لئے جمہوریت کی بحالی ضروری ہے

گول میز کانفرنس کے بارے میں ولی خان کا کہنا ہے کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں دو صوبوں پنجاب اور سندھ میں پیپلز پارٹی کامیاب ہوئی تھی بقیہ دو صوبوں سرحد اور بلوچستان میں نیپ نے کامیابی حاصل کی تھی بلوچستان میں پیپلز پارٹی کوئی نشست حاصل نہیں کر سکی تھی اس نے دھاندلی کر کے سرحد اور بلوچستان پر قبضہ کر لیا اس لئے جن لوگوں کو ملک کے مستقبل اور اس کی سالمیت سے دلچسپی ہے۔ سر جوڑ کر بیٹھیں اور سوچیں کہ ملک پر جو حادثات گذرے ہیں آئندہ کے لئے ان کا سدباب کیسے کیا جائے آخر مارشل لاء سے کب تک کام چلایا جائے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سیاسی جماعتیں خلوص نیت سے اپنا حقیقی کردار ادا کریں۔ ولی خان کی ان باتوں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس بات کی ضمانت چاہتے ہیں کہ مرکزی حکومت صوبوں کے معاملات میں قطعی مداخلت نہ کرے بالفاظ دیگر وہ مکمل صوبائی خود مختاری کی ضمانت چاہتے ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ یہ مسئلہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں طے ہو چکا ہے بھٹو صاحب نے من مانی ترمیمیں کر کے آئین کی صورت مسخ کر دی ہے۔

یہ ایک الگ بحث ہے کہ کوئی پارٹی جسے دو تہائی اکثریت حاصل ہو اسے آئین میں ترمیم کرنے کا حق ہونا چاہئے یا نہیں دوسرے یہ کہ موقع پرست اور بکاؤ لوگ اگر ایک پارٹی چھوڑ کر دوسری پارٹی میں شامل ہو جائیں تو ان کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیئے؟ کیوں کہ پچھلے چار ماہ کے اندر بہت سے لوگ ایک پارٹی چھوڑ کر دوسری پارٹیوں میں شامل ہوئے ہیں یہ پیپلز پارٹی کے اقتدار میں آنے سے قبل بھی ہوتا تھا۔ پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں بھی ہوا اور آج بھی ہو رہا ہے پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں چاروں صوبوں سے جاگیردار وڈیرے خوانین اور سردار جوق در جوق پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے تھے اس لئے بغیر انتخاب لڑے سرحد اور بلوچستان میں پیپلز پارٹی قائم ہو گئی تو اس کی شکایت بے کار ہے البتہ بلوچستان کی حکومت کو جس طرح ختم کیا گیا بلوچ عوام پر جو ظلم ڈھائے گئے اور کالعدم نیپ کے رہنماؤں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ جمہوری اصولوں کے قطعی منافی تھا۔ ہر محب وطن شہری نے اس کی پوری شدت سے مذمت کی ہے اور اس ظلم کے ازالہ کا مطالبہ آج تک جاری ہے۔

جہاں تک جمہوریت اور صوبائی خود مختاری کا سوال ہے دونوں لازم ملزوم ہیں اگر جمہوریت نہیں ہو گی تو صوبائی خود مختاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہماری تیس سالہ تاریخ شاہد ہے کہ سامراج اور اس کے حاشیہ بردار طبقات اور عناصر مسلسل جمہوری حکومت کے قیام کے خلاف سازشیں کرتے رہے ہیں غلام محمد سے یحییٰ خان تک عوام کو اقتدار اعلیٰ سے محروم رکھنے کی مسلسل کوششیں کی جاتی رہیں اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ پاکستان دو ٹکڑوں میں بٹ گیا آخر جب کوئی اور راستہ نہیں رہا تو مجبوراً ملک کی باگ ڈور عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کرنی پڑی مرکز اور دو صوبوں پنجاب اور سندھ میں پیپلز پارٹی اور سرحد و بلوچستان میں نیپ اور جمعیت العلمائے اسلام کی حکومتیں قائم ہوئیں، محب وطن عناصر نے اطمینان کا سانس لیا کہ اب ماضی کی غلطیاں نہیں دہرائی جائیں گی اور تمام تر توجہ ملک کی تعمیر و ترقی پر دی جائے گی لیکن یہ خواب پورا نہ ہو سکا جمہوریت دشمن عناصر نے ایک بار پھر سازشوں کا جال بچھا دیا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کے ہاتھوں نیپ اور جے یو آئی کی حکومت کو ختم کروا دیا گیا خود پیپلز پارٹی کی تطہیر کر کے باشعور ترقی پسند عناصر کو نکال باہر کیا گیا اس طرح بھٹو صاحب کا وہ امیج جو قائم ہوا تھا ختم ہو گیا۔ اور اب اقتدار سے محروم ہو کر وہ اپنے صف اول کے ساتھیوں سمیت نظر بند ہیں پیپلز پارٹی کو تتر بتر کرنے کے لئے خوف و لالچ کا طریقہ اپنایا جا رہا ہے

یہ سارا کھیل تو تقریباً وہی ہے جو نیپ کے ساتھ کھیلا جا چکا ہے نیپ کے لیڈر آج اگر اقتدار حاصل کر بھی لیتے ہیں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ ان کا اقتدار قائم رہ سکے گا کیوں کہ سارا مسئلہ سامراج اور اس کے حاشیہ بردار استحصال طبقات کے مفادات کے تحفظ کا ہے اگر نیپ کے لیڈر آج اس کی ضمانت دے کر اقتدار حاصل کر سکتے ہیں تو پیپلز پارٹی کے لیڈر ایسا کیوں نہیں کر سکیں گے۔ مسٹر بھٹو اور ان کے چند ساتھیوں کو سیاست سے علیحدہ کر کے پیپلز پارٹی کے دوسرے مخصوص لیڈروں سے اس قسم کی ضمانت کیوں نہیں حاصل کی جا سکتی۔

ان حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ یوم جمہوریت ہو یا ولی خان صاحب کی گول میز کانفرنس تمام جمہوریت پسند سیاسی پارٹیوں اور عناصر کا فرض ہے کہ وہ اس پر سنجیدگی سے غور کریں، ولی خان صاحب کا خیال بالکل درست ہے کہ آج ملک کی یکجہتی اور سلامتی کو خطرہ لاحق ہے اس لئے اس سوال کو ذاتی یا گروہی مفادات پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ اس ضمن میں یہ بات کہنی بہت ضروری ہے کہ پیپلز پارٹی نے یوم جمہوریت منانے کا جو فیصلہ کیا ہے اس میں اگر بلوچستان کے مسائل کے سیاسی حل پر زور نہیں دیا گیا تو اسے صحیح معنوں میں یوم جمہوریت نہیں کہا جا سکتا پیپلز پارٹی کو اس سلسلے میں پس و پیش سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ پارٹی کے چیئرمین مسٹر بھٹو نے سپریم کورٹ میں جو موقف اختیار کیا ہے اس میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ وہ بلوچستان کے مسئلہ کا سیاسی حل چاہتے تھے لیکن اس میں رکاوٹ پیدا کر دی گئی اسی طرح جناب ولی خان نے اگر کوئی گول میز کانفرنس طلب کی تو وہ اس وقت تک قومی سلامتی اور یکجہتی کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتی جب تک خود ان کے قول کے مطابق پنجاب اور سندھ کی نمائندہ سیاسی جماعت پیپلز پارٹی کو شرکت کی دعوت نہیں دی جاتی۔

امر جلیل سے امر جلیل کا انٹرویو

امر جلیل

آج کل چاروں اطراف انٹرویوز کی بھرمار ہے بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ مار ہی مار ہے۔ کوئی ایسا اخبار یا رسالہ نہیں جس میں کسی اہم شخص کا انٹرویو شامل نہ ہو۔ مزدور اہم نہیں ہوتے۔ کسان اہم نہیں ہوتے۔ موچی اہم نہیں ہوتے، حجام اہم نہیں ہوتے بغرض یہ کہ ووٹ دینے والے اہم نہیں ہوتے۔ لہٰذا ووٹ دینے والوں سے انٹرویوز نہیں لئے جاتے۔ ووٹ لینے والے اہم ہوتے ہیں۔ لہٰذا اخبار اور جرائد میں ووٹ لینے والوں کے انٹرویو شامل ہوتے ہیں۔ قارئین! واضح ہو کہ میں ووٹ دینے والوں میں شامل ہوں۔ ووٹ لینے والوں میں شامل نہیں ہوں۔ اس لئے کسی اخبار یا رسالے کا کوئی نمائندہ خصوصی یا عمومی خصوصی طور پر میرا انٹرویو لینے کو تیار نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں میں نے بارہا کوشش کی لیکن ناکام رہا ہوں۔

کوئی مجھ سا شخص جب اہم نہیں بن سکتا تب ناچار گرامر کا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ لفظ اہم سے الف کو خارج کرنے کے بعد "ہم" بن جاتا ہے۔ قارئین! لہٰذا آج ہم بذاتِ خود اور بقلم خود اپنا انٹرویو لیں گے۔ ہم نے گرامر کے توسط سے لفظ اہم سے الف کو خارج کر دیا ہے۔ لیجئے ہم اپنا انٹرویو شروع کرتے ہیں۔

سوال: سندھی کے ساتھ آپ نے اردو میں لکھنے کا فیصلہ کیوں کیا ہے؟

جواب: اردو کی زیادہ تر خدمت ان ادیبوں نے کی ہے جو اہلِ زبان نہیں ہیں اور قاف (ق) کو حلق سے ادا نہیں کر سکتے۔ مثال کے طور پر کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو، ایم آر کیانی، فیض احمد فیض، احمد فراز وغیرہ۔ میں بھی تمام تر کوشش کے باوجود قاف (ق) کو حلق سے ادا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ سندھی کے ساتھ اب میں اردو میں بھی لکھتا رہوں گا۔

سوال: آپ نے اپنے منہ میاں مٹھو کا محاورہ سنا ہے؟

جواب: میں نے صرف ایک محاورہ سنا ہے کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔

سوال: سندھی کے ساتھ اردو میں لکھنے کے فیصلے کے در پردہ آپ کے کوئی سیاسی مقاصد تو نہیں ہیں؟

جواب: سیاست دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک سیاست ووٹ دینے والوں کی ہوتی ہے۔ دوسری سیاست ووٹ لینے والوں کی ہوتی ہے۔ آپ کس سیاست کے متعلق پوچھ رہے ہیں؟

سوال: میں نے مجموعی سیاست کے متعلق سوال کیا ہے۔

جواب: پاکستان میں مجموعی سیاست نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ ہمارے ہاں ووٹ دینے والوں کی اور ووٹ لینے والوں کی الگ الگ سیاست ہوتی ہے۔

سوال: وہ کیوں؟

جواب: اس لئے کہ ووٹ دینے والے ووٹ لینے والوں کے لئے راستوں پر گولیاں کھا کر مر جاتے ہیں اس کے برعکس ووٹ لینے والے ووٹ دینے والوں کے لئے راستوں پر گولیاں نہیں کھاتے۔

سوال: چلیئے سیاست کو جانے دیجئے۔ آپ کو جانور کون سا پسند ہے؟

جواب: جو سبز باغ نہ دکھاتا ہو۔

سوال: آپ نے باغ کا ذکر کیا ہے تو لگے ہاتھوں اپنی پسند کا پھول بتا دیجئے۔

جواب: کوئی بھی پھول جو کہ کاغذ کا بنا ہوا ہو۔

سوال: وہ کیوں۔

جواب: اس لئے کہ کاغذ کا پھول مرجھاتا نہیں۔

سوال: آپ کا پسندیدہ رنگ کون سا ہے؟

جواب: ہر وہ رنگ جو لہو سے مشابہ نہ ہو۔

سوال: آپ کھانے میں کیا پسند کرتے ہیں؟

جواب: قسم۔

سوال: آپ لکھتے کیوں ہیں۔

جواب: پاکستان میں خودکشی کا یہ سب سے آسان طریقہ ہے۔

سوال: آپ کا پسندیدہ شہر کون سا ہے؟

جواب: ملتان۔

سوال: کس بنا پر۔

جواب: ملتان کے لوگ اونٹ کی کھال سے ٹیبل لیمپ بناتے ہیں۔ وہ لوگ اونٹ کی کھال سے ڈھول نہیں بناتے۔ ملتان کا سوہن حلوہ بہت لذیذ ہوتا ہے۔ تیسرا سبب میرے مرنے کے بعد عیاں ہوگا۔

سوال: کیا تیسرے سبب کا تعلق ثریا ملتانیکر سے تو نہیں ہے۔

جواب: تجسس سے اجتناب کرتے ہوئے آپ میرے مرنے کا انتظار کریں۔

سوال: آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔

جواب: میری شادی نہیں ہو سکتی۔

سوال: اس سلسلے میں آپ نے کیا کسی ماہر امراض پوشیدہ سے مشورہ کیا ہے۔

جواب: نہیں۔

سوال: پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی شادی نہیں ہو سکتی۔

جواب: ایک مرتبہ لڑکی والوں نے پوچھا کیا تم سُنی ہو۔ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ دوسری مرتبہ دوسری جگہ لڑکی والوں نے پوچھا کیا تم شیعہ ہو۔ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے بھی رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔

سوال: پھر آپ اپنی دوست ڈمپل ڈسوزا سے شادی کیوں نہیں کرتے۔

جواب: ڈمپل کا اصرار ہے کہ میں جب تک کرسچین نہیں ہو جاتا وہ مجھ سے شادی نہیں کرے گی۔

سوال: اگر آپ دنیا میں نہ آتے تو کیا ہوتا۔

جواب: سورج اسی طرح مشرق سے طلوع ہوتا اور مغرب میں غروب ہو جاتا۔

سوال: آج کل موسم کا کیا حال ہے؟

جواب: آسمان ابر آلود ہے۔ کہیں کہیں گرج چمک کے ساتھ بارش ہونے کا امکان ہے۔

لیجئے قارئین! ہم گو کہ اہم نہیں تاہم گرامر کے توسط سے لفظ اہم سے الف کے اخراج کے بعد ہم اہم ہو چکے ہیں اور اپنا انٹرویو بقلم خود لے چکے ہیں۔

رہے نام اللہ کا۔

اندرونِ سندھ

احسان عظیم

سامان گھروں سے باہر پھینک دیا گیا

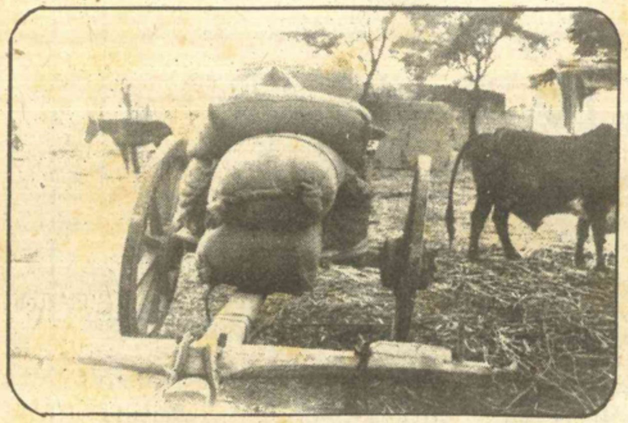

ہاریوں کا اناج

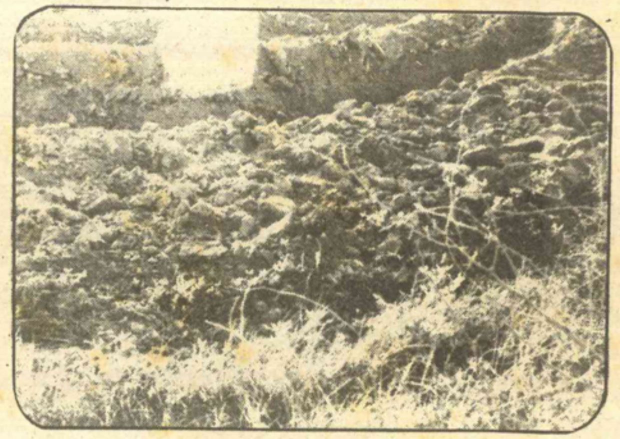

فصل پر ٹریکٹر چلا دیا گیا۔

گاؤں کی ناکہ بندی ہاریوں کی بیدخلی کھڑی فصلوں پر ٹریکٹر چلا دیئے گئے

گذشتہ ہفتے دیہہ مبارک واہ تعلقہ ہالہ کے وڈیرے میر اللہ بخش تالپور نے مبینہ طور پر ۵۴ ہاریوں، جن کا تعلق بلوچ قبیلے "کھوسے" سے ہے کو بزورِ طاقت زمین سے بے دخل کر دیا۔ کھڑی فصلوں پر ٹریکٹر چلا دیئے۔ کھیتوں کو اجاڑ دیا اور ہاریوں کا سامان ان کے گھروں سے باہر نکال کر پھینک دیا لیکن اللہ کا کوئی پُراسرار بندہ ان کی مدد کو نہ پہنچا۔

دیہہ مبارک واہ کے یہ ہاری فریاد کناں ہیں کہ "ہم گذشتہ ایک صدی سے ٹنڈو جام کے میر محمد علی خان تالپور کی جاگیری زمین پر "ہاریا" کرتے رہے ہیں۔ ایوب خان کے زمانے میں زرعی اصلاحات ہوئیں۔ اور تالپوروں نے اپنی اراضی بچانے کے لئے جاگیر کو "زمینداری" میں منتقل کر دیا۔ پیپلز پارٹی کی زرعی اصلاحات سے محفوظ رہنے کے لئے انہوں نے اپنی زمین کو سات مختلف ناموں پر تقسیم کر دیا۔ اور زرعی اراضی کا انتظام اپنے لڑکے میر اللہ بخش تالپور کو سونپ دیا۔ گذشتہ پانچ چھ سال کی طویل جدوجہد مسلسل کے بعد ہم ہاریوں نے آدھی بٹائی اور بیج کی قانونی مراعات وڈیرے سے تسلیم کرائیں ہماری جدوجہد کو وڈیرے نے سرکشی گردانا اور ہمیں بے دخل کرنے کی سازشوں میں مصروف ہو گیا۔ لیکن ناکام رہا۔ پھر اس نے خریف کی فصل سے زمین کا ٹھیکہ علاقے کے متعدد با اثر مگر مبینہ طور پر بدنام افراد کو دے دیا۔ تاکہ یہ افراد بزورِ طاقت، دولت اور اثر و رسوخ ہمیں بے دخل کر دیں۔ کیونکہ قانونی طور پر وڈیرہ یا اس کے حاشیہ بردار ہمیں زمین سے بے دخل نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ وڈیرے اور اس کے ساتھیوں نے علاقے کے سرکاری اہل کاروں، پولیس کو اپنے ساتھ ملایا۔ اور آئندہ وزارتِ اعلیٰ کے متمنی امیدوار کی سرپرستی حاصل کی۔"

گذشتہ ہفتے سو، ڈیڑھ سو مسلح افراد اور مبینہ طور پر پولیس نے ہماری زمین اور گاؤں پر حملہ کر دیا۔ گیارہ اسے مارا پیٹا گیا۔ ہم میں سے بیس ہاریوں نے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون "سی" کو ایک مشترکہ درخواست دی۔ درخواست ٹریکٹروں سے کھڑی فصلیں روند ڈالیں۔ مویشیوں کے پانی پینے کے تالاب کو بند کر دیا۔ گاؤں کی ناکہ بندی کر کے ہاریوں کو بھوکا پیاسا کھڑا کیا۔ زد و کوب کیا گیا۔ جس ہاری نے گھر سے نکلنے یا تشدد کے خلاف مزاحمت کرنے کی کوشش کی۔ "ضروری کارروائی" کے لئے پولیس حکام کے پاس بھیج دی گئی لیکن "بڑوں" کے خلاف پولیس نے کوئی کارروائی نہ کی۔ اس ظلم کی خبریں اخبارات میں آئیں۔ جیئے سندھ سٹوڈنٹس فیڈریشن، سندھی اسٹوڈنٹس آرگنائزیشنز اور متعدد دوسری جماعتوں کی جانب سے ہمارے حق میں بیانات آئے۔ تب مجبوراً حکام کو پیش رفت کرنی پڑی۔ پولیس کا ایک دستہ گاؤں بھیجا گیا۔ اور گاؤں کی ناکہ بندی ختم کرائی گئی۔ پھر اے سی بھی آئے۔ اور ٹریکٹروں سے فصل کو بچایا۔ ہسٹری شیٹر رحیم ڈنو میر لوٹہ کو علاقہ بدر کیا گیا۔"

اس صورتِ حال کے بارے میں وڈیرہ میر اللہ بخش تالپور کا کہنا ہے کہ اس نے اپنی تمام اراضی محمد خان ولد حسن علی بھیم، ڈنل خان ولد پھوٹو خان خشک، محمد عمر ولد صدیق موچی، حاجی جینو ولد ستارو خان خشک اور بعض دیگر افراد کو پانچ سال کے ٹھیکے پر دسمبر ۱۹۷۷ء میں دے دی تھی۔ یہ ٹھیکے دار ٹریکٹروں اور جدید آلات کے ذریعے بہتر اور زیادہ فصل پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ کھوسے ہاری میرے سابق ٹھیکیداروں کے پاس "ہاریا" کرتے تھے۔ کیونکہ نئے ٹھیکیدار ٹریکٹر استعمال کرنا چاہتے ہیں، اس لئے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ہاریوں پر بے دخلی کے لئے دباؤ ڈالا ہو۔

۱۶ دسمبر ۱۹۷۷ء این ڈی پی سندھ کی مجلس عاملہ نے مذکورہ ہاریوں کی حمایت میں قرارداد منظور کی۔ بتایا جاتا ہے کہ قرارداد کی منظوری کی اطلاع ملتے ہی وڈیرہ این ڈی پی سندھ کے صدر حاکم علی زرداری سے ملا۔ معلوم ہوا ہے کہ حاکم علی زرداری، حسین تھیبو اور دیگر کارکنوں نے دیہہ مبارک واہ کا دورہ کیا اور مطالبہ کیا کہ ہاریوں کی بے دخلی کو روکا جائے۔

پیپلز میڈیکل کالج بند کرنے کا منصوبہ؟

مارشل لاء کے نفاذ کے بعد سے مختلف سرکاری، نیم سرکاری اور خود مختاری اداروں کے ملازمین کی برطرفیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ بیشتر برطرفیوں کی کوئی وجہ بھی بیان نہیں کی جاتی۔ یا پھر یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ مذکورہ ملازمین ایڈہاک بنیاد پر یا اقربا پروری کے ضمن میں بھرتی ہوئے تھے۔ ملازمین کی برطرفی سے پیشتر نہ تو انہیں کوئی چارج شیٹ دی جاتی ہے نہ ہی انہیں کسی قسم کی صفائی کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس صورتحال نے اندرونِ سندھ عوام میں عدم تحفظ کا احساس شدید کر دیا ہے۔ ابھی حال ہی میں دادو شوگر مل کے جنرل منیجر نے فیکٹری کے چھ سینیئر اور مستقل ملازمین کو کوئی وجہ بتائے بغیر ملازمت سے برطرف کر دیا ہے۔ برطرف ملازمین دادو ضلع کے مقامی افراد تھے۔ ان کی جگہیں خالی تو رکھی نہیں جا سکتیں۔ لازمی طور پر باہر سے تقرری کی جائے گی۔ نتیجہ مزید ہیجان کی شکل میں ہی نکلے گا۔ عوام میں عدم تحفظ اور اطمینانی کا اظہار مختلف شکلوں میں ہونے لگا ہے۔ اور اس میں اضافہ کے غیر معمولی امکانات ہیں۔

حال ہی میں حیدرآباد میں این ڈی پی سندھ کمیٹی کا ایک اجلاس حاکم علی زرداری کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں متعدد قراردادیں منظور کی گئیں۔ ان قراردادوں میں ملک کی مجموعی سیاسی صورتِ حال کے جائزے کے علاوہ شہری و جمہوری آزادیوں کی بحالی کے مطالبے کے ساتھ یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ قومیتوں کے پرچار اور قومیتوں کے وجود کے اظہار کی قانونی پابندی فوری طور پر منسوخ کی جائے۔

ملک کے سرکاری غذائی ماہرین کے مطابق معیشت بہتری کی طرف گامزن ہے۔ کپاس کی اچھی فصل ہوئی ہے۔ اور گندم کی بھی بہترین فصل متوقع ہے۔ اب ان ماہرین کو یہ کون بتلائے کہ اچھی فصل ہونے کے باوجود بھی آبادگاروں کو ان کی فصل کی مقررہ قیمت نہیں مل رہی ہے۔ شہر تو شہر ہیں۔ گندم پیدا کرنے والے دیہات میں بھی آٹا عنقا ہو چکا ہے۔ اگر ملتا بھی ہے تو ستر اور اسی روپے من وہ بھی خریدار کی نسلوں پر احسان کرتے ہوئے۔

شہری اور جمہوری آزادیاں بحال کی جائیں: زرداری

ملازمین کی برطرفی، ترقیاتی فنڈ میں 6 کروڑ روپے کی کٹوتی

سندھ پاکستان کا دوسرا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ جس کی حقیقی آبادی ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ پاکستان کی مجموعی پیداوار اور آمدنی کا تقریباً نصف حصہ سندھ سے وصول ہوتا ہے۔ لیکن ماضی میں سندھ کی آمدنی کے مقابلے ترقیاتی اخراجات میں کافی کمی کی گئی ہے۔ اسی لئے سندھ کی پس ماندگی آج بھی موجود ہے۔ پھر یہ کہ ترقیاتی منصوبہ بندی کا یہ کمال ہے کہ معاشی ناہمواری میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ سندھ کے بیشتر معاشی وسائل پہلے ہی صوبائی حکومت کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں

اسی لئے سندھ میں علاج یا تعلیم صحت، ذرائع مواصلات کی سہولتیں برائے نام ہیں۔ سابق سندھ اسمبلی نے مالی سال ۷۷-۱۹۷۶ء کے لئے ترقیاتی بجٹ صرف چھیاسی کروڑ روپے کا بنایا تھا لیکن اس قلیل رقم کے پروگرام میں بھی حال ہی میں چھ کروڑ روپے کی کٹوتی کر دی گئی ہے جس کے نتیجہ میں سانگھڑ ضلع میں شکر کے کارخانے کی تنصیب کا منصوبہ ترک ہو چکا ہے۔ دادو۔ مورو پل کی تعمیر کا دیرینہ منصوبہ معطل کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ سڑکوں کی تعمیر اور دیگر اہم ترقیاتی اسکیموں میں بھی خاصی کتر بیونت کر دی گئی ہے اس کی معیشت پر سندھ کے باشندوں کے ساتھ دوسرے صوبوں کے لاکھوں افراد کی کفالت کا بوجھ بھی ہے۔ اس اضافی بوجھ کو برداشت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سندھ کے ترقیاتی منصوبے پایۂ تکمیل تک پہنچائے جائیں اور آمدنی، روزگار کیلئے وسائل کی تلاش کی جائے۔

سابقہ حکومت نے سندھ اور اس کے عوام کے ساتھ جو ناانصافیاں کی ہیں، اس کی ایک طویل داستان ہے۔ لیکن ساتھ ہی چھوٹے موٹے کام بھی کئے گئے۔ ان میں پیپلز میڈیکل کالج نواب شاہ، مہران انجینئرنگ یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی شامل ہیں لیکن بیوروکریسی کو یہ بھی منظور نہیں کہ تعلیم کی یہ برائے نام سہولت برقرار رہے۔ چنانچہ میڈیکل کالج کی انتظامیہ نے کالج کے ہوسٹلوں میں جو صرف لڑکیوں کے لئے مخصوص ہے۔ باہر کے لوگوں کو آمد و رفت کی اجازت دے دی جس سے بعض طالبات کو یہ شکایت پیدا ہوئی کہ ان کے خطوط کھول کر پڑھے جاتے ہیں کالج کو جیل خانے کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ بعض حلقوں کا خیال ہے کہ انتظامیہ یہ سب کچھ اس لئے کر رہی ہے کہ طالبات عدم تحفظ کا شکار ہو کر کالج چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں اس طرح کالج بند کرنے کا جواز پیدا ہو سکے۔ اس خیال کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ کالج انتظامیہ نے آخری سال کی تقریباً دو سو میں سے ایک سو تیس طالبات کے تبادلے کی درخواست کی سفارش کی۔ ان میں سے چونتیس لڑکیوں کے تبادلے کی منظوری دے دی گئی۔ اب بقیہ لڑکیوں کا بھی یہ مطالبہ ہے کہ انہیں بھی منتقلی کی اجازت دی جائے یا پھر ان چونتیس طالبات کو بھی واپس کیا جائے۔ اس ضمن میں کالج میں کا بائیکاٹ بھی ہوا۔

مہران یونیورسٹی کے طلباء کے اخراج اور گرفتاری کی صورتِ حال سے اندرونِ سندھ طلباء میں زبردست بے چینی ہے۔ سندھ یونیورسٹی کے طلباء نے ایک دن کے لئے کلاسوں کا بائیکاٹ کیا۔ یہ صورتِ حال کسی وقت ایک بڑا دھماکہ کر سکتی ہے۔

سندھ یونیورسٹی کے شعبہ سندھیالوجی نے اپنے سہ ماہی پرچے سندھی ادب کا اقبال نمبر شائع کر کے سندھی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ شعبہ سندھیالوجی کی کاوش لائق تحسین ہے۔ شعبہ اردو بھی کسی سے پیچھے نہیں رہا ہے اس شعبہ کی جانب سے صد سالہ جشنِ اقبال کے سلسلہ میں ایک شاندار تقریب منائی گئی۔ صدارت وائس چانسلر شیخ مبارک علی ایاز نے کی جب کہ مہمان خصوصی ڈائریکٹر ترقی اردو بورڈ اشفاق احمد تھے۔ اشفاق احمد تنہا نہیں تھے۔ ان کی بیگم بانو قدسیہ بھی ساتھ تھیں۔ حمایت علی شاعر نے موقع غنیمت جانا اور دونوں میاں بیوی کے ساتھ شام بھی منا ڈالی۔ حیدرآباد کے خشک سوتے پھوٹے۔ یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے حضور احمد سلیم، شعبہ فلسفہ کے ڈاکٹر عطاء الرحیم، شعبہ اردو کے ڈاکٹر نجم الاسلام، مرغوب راحت، شعبہ سندھیالوجی کے عبدالقادر

جونیجو، مشرقی علوم کی میڈم چاند بی بی اور زاہدہ محسن۔ شعبہ سندھی کے قاضی خادم۔ سندھی ادبی بورڈ کے ظفر حسین اور امداد حسینی، ترقی اردو بورڈ کے نیاز ہمایوں، ریڈیو پاکستان کے الیاس عشقی، ڈائریکٹر ایجوکیشن حمید سندھی، استاد اختر انصاری اکبرآبادی، افسانہ نگار علی بابا اور مدد علی سندھی کی شرکت نے نشست کو واقعی گلزار بنا دیا۔

سندھی کہانیوں کا اردو میں ترجمہ تو بہت کم ہوا ہے لیکن سندھی میں تقریباً ہر نمایاں فن پارہ ترجمہ ہو چکا ہے۔ اشفاق کی کہانیوں کا سندھی ترجمہ عبدالقادر جونیجو اور قاضی خادم نے سنایا۔ سوال و جواب بھی ہوا۔ اور پھر بات چائے تک پہنچی۔

سانگھڑ

لیاز سندھی

انور محمود نظامانی

جیل میں لاء اور ایم اے کی تعلیم مکمل کی

ایک خاموش کارکن، مظلوم عوام کا ہمنوا اور قومی اتحاد کا حامی

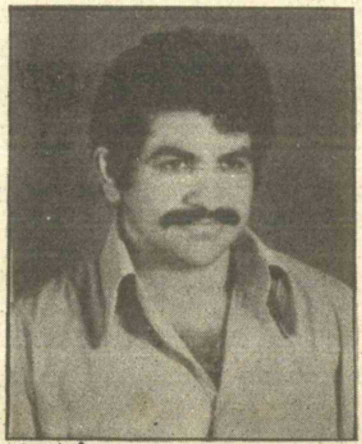

انور محمود نظامانی

انور محمود نظامانی کا نام قارئین الفتح کے لئے ہو سکتا ہے کہ نامانوس ہو لیکن سانگھڑ کے لوگ خاص طور پر طلباء اور مظلوم کے لئے جانا پہچانا نام ہے۔

انور محمود نے اپنی جدوجہد کا آغاز ۶۷ء میں ایوبی آمریت کے خلاف جدوجہد میں شمولیت سے کیا اس کی پاداش میں لمبے عرصے جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہے ایوبی آمریت اور یحییٰ خاں کی آمریت اور پھر پیپلز پارٹی کی حکومت کے دور آئے لیکن غریبوں کے حقوق کے لئے آواز اٹھانے والوں سے ہر دور میں یکساں سلوک ہوتا آیا ہے اسی سلوک کے نتیجے میں انور بھی سالہا سال جیل کی کال کوٹھری میں بند رہے۔ چند روز قبل ہم نے ان سے ملاقات اور تبادلہ خیال کیا۔ ہمارے سوالوں کے جواب میں انہوں نے جو کہا اس کا حاصل درج ذیل ہے

اتنے عرصے تک جدوجہد کرنے اور مصیبتیں اٹھانے کے باوجود وہ اسمبلی کے رکن کیوں نہیں بنے؟ اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ عوامی زندگی میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جو دکھاوے کے لئے عوام کی باتیں کرتے ہیں لیکن ان کا اصل مقصد ذاتی شہرت حصول اقتدار اور نام و نمود ہوتے ہیں ایسے لوگ اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو عوام کی خدمت اور ان کے مسائل کے حل کے لئے جدوجہد کو ہی اپنی منزل سمجھتے ہیں اور اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ انہوں نے دوسری قسم کے لوگوں کا ساتھی بننا پسند کیا۔

انور محمود نظامانی اپنی جدوجہد اور قربانیوں کو کافی نہیں سمجھتے ان کی نظر میں تمام مظلوم چاہے وہ ملک کے کسی بھی حصے میں رہتے ہوں وہ آپس میں بھائی ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے سانگھڑ یا کسی اور علاقہ میں چند لوگوں کو اکٹھا کر کے جلسے جلوس مظاہرے کر لینا ان کے مسائل کے حل کے لئے کافی نہیں ہے اس کے لئے بڑے اتحاد اور بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے

انور محمود کی سرگرمیاں صرف اسی حد تک نہیں ہیں کہ انہوں نے سانگھڑ میں پہلی بار عوامی جلوسوں اور مظاہروں کی تنظیم اور قیادت کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مزدوروں کو منظم کرنے میں بھی نمایاں حصہ لیا ہے۔ مزدوروں کی کئی یونینوں اور ہاری طلباء متحدہ محاذ کی بنیاد رکھی۔ وہ اس بات سے مطمئن ہیں کہ یہ یونینیں مؤثر انداز میں کام کر رہی ہیں۔ انہیں اس بات کی بھی خوشی ہے کہ سانگھڑ کالج کو ترقی دے کر ڈگری کالج بنا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ ممکن ہو سکا ہے کہ وہ طلباء جو اپنی غربت کی وجہ سے دوسرے شہروں میں جا کر اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ اب یہیں اپنی تعلیم کا ایک مرحلہ مکمل کر سکتے ہیں۔

انور صاحب کی جدوجہد کے نتیجے میں ووکیشنل انسٹی ٹیوٹ کے قیام کے منصوبے کی منظوری ہوئی تھی اور اس مقصد کے لئے ۲۷ لاکھ روپے کی رقم مختص کی گئی تھی لیکن سانگھڑ اس ادارے کی برکتوں سے محروم رہا اس کی وجہ انور صاحب نے یہ بتائی کہ پیپلز پارٹی کی حکومت کو سانگھڑ جیسی جگہ پر اتنی رقم خرچ کرنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آیا۔ اس لئے یہ منصوبہ اور رقم لاڑکانہ منتقل کر دی گئی۔

انور صاحب کا تعلق حر جماعت سے ہے۔ حروں کی ترقی کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ وہ پیر صاحب اور ان کی جماعت کے ادنیٰ خادم ہیں۔ زیادہ کہنے کے موقف میں نہیں ہیں البتہ اتنا سمجھتے ہیں کہ اگر تمام وسائل کو بروئے کار لا کر حروں میں تعلیم کو عام کیا جائے تو وہ نہ صرف سندھ بلکہ پاکستان کی سیاست میں بہت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

وہ اس بات کو شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ سانگھڑ سندھ بلکہ پاکستان کے انتہائی پسماندہ علاقوں میں شامل ہے شاید پہلے نمبر پر ہو۔ ان کی رائے میں پہلی ضرورت یہ ہے کہ انتقام اور دشمنی کی فضا اور عادت کو بدلا جائے۔ نفرت کو محبت میں تبدیل کیا جائے۔ لوگوں کے دلوں سے عدم تحفظ کا خوف دور کیا جائے۔ وہ پی این اے کے حامی ہیں اور ان کی رائے میں پی این اے کو چاہیئے کہ ضلع سانگھڑ کے حالات کا تفصیلی جائزہ لے لے۔ صنعتوں کے قیام، بنجر زمینوں کو زیر کاشت لانے، سیم و تھور پر قابو پانے، نئی نہریں نکالنے، دیہی علاقوں میں اجناس کی منڈیاں قائم کرنے، سڑکوں کو بہتر بنانے کے منصوبے مرتب کریں اور اس پر عمل کروانے کے لئے مہم چلائے۔

ایک بات جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ افسوسناک بھی ہے اور جس سے انور محمود نظامانی کے عزم و حوصلے کا پتہ چلتا ہے یہ ہے کہ قید و بند کی رکاوٹوں کے باوجود انہوں نے اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا انہوں نے جیل کی کوٹھری میں بیٹھ کر بی اے، ایل ایل بی اور ایم اے کے امتحانات پاس کئے۔

میرپورخاص
ناصر خان

تحریک استقلال کے "سرمائے" میں اضافہ

دھوم تھی کہ "غالب کے اڑیں گے پُرزے" سو ہم بھی تماشہ دیکھنے گئے ۳۰ دسمبر ۱۹۷۷ء کو تحریک استقلال کے صدر اصغر خان، میرپورخاص میں اس شان سے وارد ہوئے کہ میرپورخاص سے پانچ میل دور جمڑاؤ کینال پر تحریک کے ضلعی صدر گلاب خان قائم خانی ایڈووکیٹ، کامریڈ عبدالمجید راجپوت، نظام الدین پیرزادہ ایڈووکیٹ، تحریک استقلال میرپورخاص شہر کے صدر شمشاد بلوچ، قیوم شاہد ہمیراج ایڈووکیٹ، خلیل الرحمٰن ایڈووکیٹ اور شریف قریشی نے اصغر خان کا استقبال کیا۔ گاڑیوں اور رنگ برنگی کاروں کے جلوس میں میرپورخاص لائے اور کاروں کا یہ جلوس یاسین خان کے بنگلے پر پہنچا۔ جہاں تحریک کے سربراہ کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ اصغر خان نے اپنی جماعت کے کارکنوں سے گفتگو کی۔ اس کے بعد اخبار نویسوں سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ "قومی اتحاد والے احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ اتحاد میں ہماری دوبارہ شمولیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ ہم نے علیحدگی عوام کے جذبات اور خواہشات کے پیش نظر اختیار کی ہے اور ہماری علیحدگی سے "پی این اے" کا وجود ختم ہوگیا ہے۔ تحریک استقلال عوام کو غربت اور مایوسیوں سے نجات دلانے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ ہمارے نزدیک نظام مصطفےٰ دولت کی منصفانہ تقسیم اور غربت کے خاتمے کے بعد ہی قائم کیا جاسکتا ہے۔ اور صرف تحریک استقلال ہی نظام مصطفےٰ نافذ کرسکتی ہے۔ کیونکہ ہمارے کردار اور گفتار میں کوئی تضاد نہیں ہے۔" اس کے بعد اصغر خان نے مختلف وفود سے ملاقاتیں کیں۔ پیپلز پارٹی میرپورخاص کے سابق صدر اور بار ایسوسی ایشن کے سیکرٹری سعید اختر سعید، ان کے ساتھیوں، ریلوے لیبر یونین کے محمد یونس، غریب آباد پیپلز پارٹی کے عمرالدین اور عمر قریشی نے تحریک میں شمولیت کا اعلان کیا۔ رات کو عبدالمجید راجپوت نے اصغر خان کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ اس عشائیہ میں جناح ہسپتال کراچی کے سابق فزیشن ڈاکٹر عبدالواحد چودھری اور کنری پیپلز پارٹی کے سیکریٹری اور "بھٹی ایسوسی ایشن" کے سیکرٹری محمد اصغر علی اور ان کے ساتھیوں اور میرپورخاص بلدیہ کے سابق صدر ڈاکٹر نذیر احمد صدیقی نے تحریک استقلال میں شمولیت کا اعلان کیا۔

میرپورخاص کے لوگوں کا کہنا ہے کہ سیاسی کارکن سیاسی جماعتوں کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ تحریک کے "سرمائے" میں اضافہ ہورہا ہے۔ ویسے بھی سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ تحریک استقلال کا منشور بھی سرمایہ دارانہ نظام کا حامی ہے۔

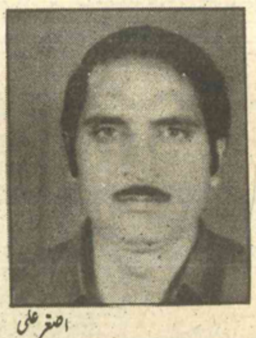
اصغر علی

گلاب خان

قیوم شاہد

جلیس ہاشمی

قومی اتحاد کا وجود ختم ہوچکا ہے: اصغر خان

عبدالمجید راجپوت

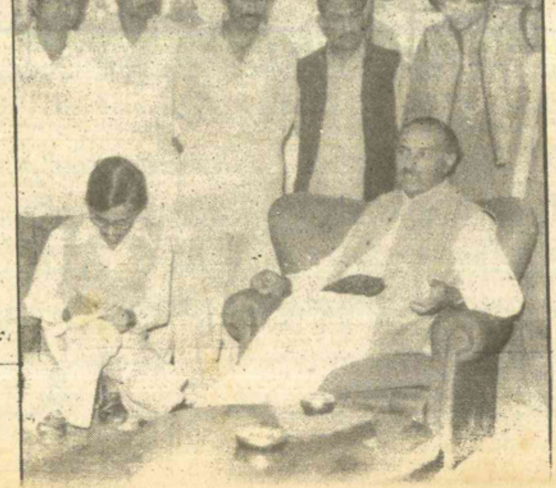
...غر خان پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے ہیں

ڈاکٹر: ...

ملتان   شفیق ملک

پاک عرب کھاد فیکٹری کی تعمیر میں تاخیر، ہر ماہ پانچ کروڑ روپے کا نقصان

ملز مالکان مزدوروں سے جبری استعفےٰ لے رہے ہیں' مختار اعوان

پاکستان پیپلز پارٹی کے ملک مختار احمد اعوان اور ایم۔ اے گوہر نے آخر کار ہمت کر کے پیپلز پارٹی کی ملتان میں زندگی کا احساس دلوا ہی دیا۔ اس سال کے شروع میں امیدوار قومی اسمبلی صاحبزادہ فاروق علی کو پریس کانفرنس کے بعد کسی مقامی یا صوبائی یا ملکی سطح کے پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کی ملتان میں یہ پہلی کانفرنس تھی اس لئے صحافیوں نے ایک بہت بڑی تعداد میں حصہ لیا۔ یہ موقعہ خود بھی تاریخی نوعیت کا ہے کہ ملک مختار احمد اعوان اور ایم اے گوہر اکھٹے پریس کانفرنس کریں کیوں کہ ابتداء میں وہ ایک دوسرے مخالف گروپوں میں کھڑے نظر آتے تھے۔ بہرحال پریس کانفرنس میں انہوں نے اعلان کیا وہ قائم مقام چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی بیگم نصرت بھٹو کے حکم پر لبیک کریں گے اور پارٹی کے ڈسپلین کے تحت یوم جمہوریہ میں کو کامیاب بنائیں گے۔ ملک مختار احمد اعوان سے پوچھا گیا کہ آپ کو دن منانے کے سلسلے میں کوئی احکام آئے ہیں جواب ملا کہ اس کا جواب ضلعی اور شہر کے صدر دے سکتے ہیں۔ اسی لئے پریس کانفرنس میں دونوں رہنماؤں نے مزدوروں کے مسائل حل کرنے پر خاص طور پر زور دیا۔ کالونی وولن ملز۔ کالونی ٹیکسٹائل ملز۔ گورنمنٹ ٹرانسپورٹ پنجند ٹیکسٹائل ملز۔ اللہ وسایا ٹیکسٹائل ملز۔ گھی ملز اور شوگر ملز۔ مقبل جوٹ ملز وغیرہ میں ہزاروں مزدوروں کو بے روزگار رکھے جانے اور ان کے خاندانوں کو فاقہ کشی سے دوچار کرنے پر سرمایہ داروں کی مذمت کی انہوں نے بتایا کہ ملز مالکان مختلف ہتھکنڈوں سے مزدوروں اور چھوٹے اہل کاروں کو تنگ کر رہے ہیں جن میں چھانٹیاں۔ برطرفیاں۔ تنزلیاں۔ تنخواہوں میں کمی اور بڑی تنخواہوں پر چوکیداری قسم کے کام لینا شامل ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ قومیائی گئی زرعی صنعتوں کی واپسی کے بعد ملز مالکان، مزدوروں کو اپنا زرخرید غلام سمجھ کر ان سے مشقت لیتے ہیں اور ان کو مختلف حربوں سے تنگ کر کے نوکریاں چھوڑنے پر مجبور کر رہے ہیں ان رہنماؤں نے کہا کہ جاگیر داروں اور سرمایہ داروں نے صنعتی اداروں اور کھیت مزدوروں کیخلاف ایک منظم سازش میں مصروف ہیں اور اسی کے تحت یہ تمام کارروائیاں کر رہے ہیں۔ بے روزگاری اور مہنگائی نے عام شہری کے لئے جینا حرام کر دیا ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ اجتماعی سوداکاری کی ایجنسیاں بحال کی جائیں اور ریفرنڈم کا حق بحال کیا جائے سیاسی سرگرمیاں بحال کر کے ملک میں عام انتخابات کے جلد از جلد کرائے جانے پر زور دیا۔

اسی روز پاک عرب کھاد فیکٹری ملتان کے لیبر فرنٹ کے رہنما محمد حسین کھوکھر اور ان کے ساتھیوں نے ایک پریس کانفرنس کی۔ انہوں نے کہا کہ پروجیکٹ کی تعمیر جو ۱۹۷۶ء میں مکمل ہونی تھی غلط پالیسیوں کی وجہ سے دو سال تاخیر سے مکمل ہو گی جس کی وجہ سے قومی خزانہ کو تقریباً ہر ماہ پانچ کروڑ چالیس روپے کا نقصان ہو رہا ہے ان دو سالوں کی تاخیر کی وجہ سے ایک ارب ۱۹ کروڑ روپے کا نقصان اب تک ہو چکا ہے ان رہنماؤں نے اس نقصان کو ذمہ داری فیکٹری کی انتظامیہ پر عائد کی۔

میانوالی
•
دوشنبے ملک

ہائی کورٹ نے بیگار کیمپوں کے بارے میں تحقیقات کا حکم دیدیا

لاہور ہائی کورٹ نے کالاباغ کے ایک شخص حافظ عبدالرحیم کے اغواء کے بارے رپورٹ طلب کر لی ہے۔ نوابزادگان سمیت متعدد اعلیٰ افسروں کے خلاف رٹ درخواست کی سماعت منظور کر لی ہے اور ہائی کورٹ نے نوابزادہ ملک مظفر خان، نواب زادہ ملک اسد خان، نواب زادہ ملک اللہ یار خان، نواب زادہ محمد اعظم خان اور ان کے ماموں ملک شیر محمد خان سمیت انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب، کمشنر سرگودھا ڈویژن، ڈپٹی کمشنر میانوالی ایس پی میانوالی اور ایس ایچ او کندیاں ریلوے پولیس کو پندرہ دن کے اندر اندر رپورٹ عدالت میں پیش کرنے کا حکم دے دیا ہے اور چاروں نواب زادگان ان کے ماموں کے خلاف مقدمہ درج کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ لاہور ہائیکورٹ نے کالاباغ کے بیگار کیمپوں اور نجی جلسوں کی تحقیقات اور انہیں ختم کرنے کا حکم دے دیا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء میں دیئے گئے بنیادی حقوق کے منافی ہے

ضلع میانوالی کے قریبی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے پیپلز پارٹی کے سابق کارکن شائستہ خان بلوچ نے ایک نئی تنظیم "دہقان" کے قیام کا اعلان کیا ہے۔ ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "دہقان" مزدوروں، کسانوں اور معاشرہ کے دیگر غریب طبقوں کی بھلائی کے لئے کام کرے گی انہوں نے پیپلز پارٹی پر بھی نکتہ چینی کی۔

رائے ونڈ کے تبلیغی اجتماع میں دو نوجوانوں محمد اقبال اور محمد خان پر ظلم و تشدد کی مذہبی حلقوں نے مذمت کرتے ہوئے محمد اقبال کے قتل کی اعلیٰ سطح پر تحقیقات کرانے کا مطالبہ کیا ہے یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ محمد اقبال نے سرو سز ہسپتال میں دم توڑ دیا تھا۔

ایک خبر کے مطابق پیر پگارا نے کہا ہے کہ "آلو نکل گیا ہے اگر حلوہ بھی نکل جائے تو مسلم لیگ اپنے پروگرام پر چلتی رہے گی ہم ملازم نہیں چاہتے اسلامی نظام چاہتے ہیں۔ اور نظام مصطفےٰ کا نعرہ تو نورانی میاں کا ہے قومی اتحاد کا نہیں یعنی آلو (اصغر خان) حلوہ (مفتی محمود) ملازم (نورانی) نکل جائیں تو "سنجیاں ہو جان گلیاں وچ گوری راج کرے" یعنی مسلم لیگ بھی اقتدار کی وارث بن جائے۔

کوہ دخت

اے نگارِ وطن ہم تیرے واسطے
سر بہ کف جان ہتھیلی پہ لے کے چلے
تو نے جب بھی پکارا وفادار تھے
تو نے جب بھی کہا سرِ دار تھے

○

تیرے کھیتوں کی رونق ہمیں سے بڑھی
تیری تہذیبِ تازہ کو دی روشنی
ہم نے پھلدار پودوں سے دامن ترا
مثل لعل و گہر سر تا سر بھر دیا
ان درختوں کی شاخوں سے میرے وطن
ہم کو اپنے لئے بس صلیبیں ملیں!

○

سولیاں ظلم و غربت کی چڑھتے رہے
اپنے خوں سے تری مانگ بھرتے رہے
اے نگارِ وطن ہم محافظ ترے
ہم وفادار ہم سچے عاشق ترے

○

ہم نے سوچا ہے اور فیصلہ کر لیا
اب صلیبیں تراشی نہیں جائیں گی
ہاں تراشیں گے ان ظالموں کے لئے
جو صلیبوں پہ تجھ کو چڑھاتے رہے

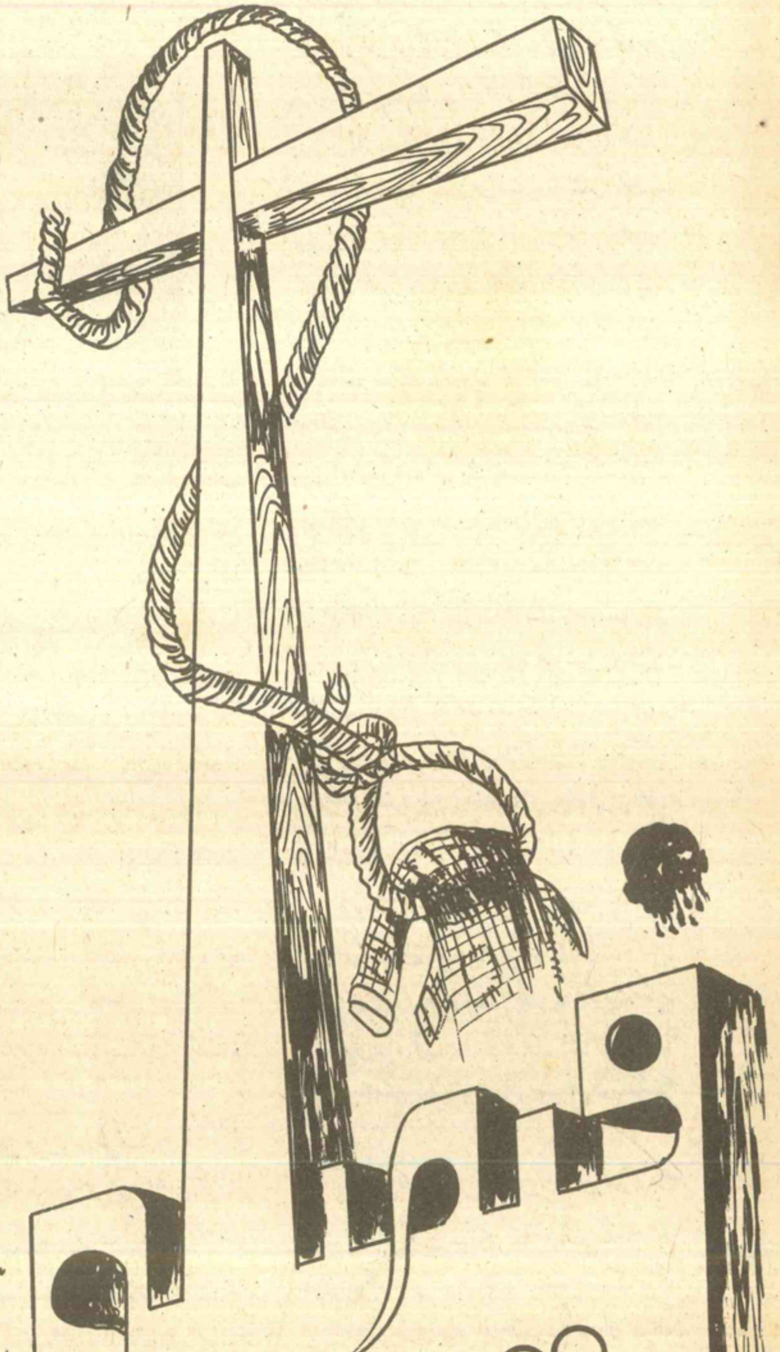

ٹوبہ ٹیک سنگھ

غیاث الدین جانباز

چھڈو جی مقدمے تے اتحاد دیاں خبراں نوں

جھنگ فیکٹریوں اور فلور ملز سے مزدوروں کی برطرفیاں!

قومی اتحاد میں شامل جماعتیں انتخابات منعقد کرانے کے بارے میں الگ الگ نقطۂ نگاہ رکھتی ہیں۔ مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کے اکابرین محاسبہ کا عمل مکمل ہوئے بغیر عام انتخابات کرانے کے خلاف ہیں جب کہ اتحاد کے سیکرٹری جنرل اور جماعت اسلامی کے پروفیسر غفور احمد "جلد از جلد عام انتخاب کراؤ" کا نعرہ لگاتے ہیں نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے صدر شیر باز مزاری مئی ۱۹۷۸ء میں عام انتخاب کرانے کا مطالبہ کر چکے ہیں۔ جمعیت العلمائے اسلام کے رہنما اور پی این اے کے صدر مفتی محمود مارچ ۷۸ء میں انتخاب کرانے چاہتے ہیں۔ نوابزادہ نصر اللہ خان کی پی ڈی پی فوری انتخاب کا مطالبہ کرتی ہے تحریک استقلال اکتوبر یا نومبر ۱۹۷۸ء میں انتخابات کرانے کی گفتگو کر رہی ہے۔ پی این اے اور اس سے الگ ہونے والی تحریک استقلال کے لیڈروں کے عام انتخابات کے انعقاد کے بارے میں متضاد اور مبہم خیالات نے عوام کو مزید شک و شبہ میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام میں پی این اے اور تحریک استقلال کی مقبولیت کے گراف میں پنجاب میں دن بدن کمی ہو رہی ہے۔ پیپلز پارٹی کیونکہ فوری طور پر انتخابات کرانے کی علمبردار ہے اور عوام کی بھی یہی منشا ہے اس لئے پی پی پی کی عوامی حمایت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

پنجاب کے دیہات میں مزارعین کی جبری بیدخلیوں پولیس اور محکمہ مال کی دھاندلیوں نے دیہی آبادی کو مضطرب کر دیا ہے۔ مزدوروں کی چھانٹیوں، فلور ملوں، رائس ملوں، جھنگ فیکٹریوں سے ملازمین کی وسیع پیمانہ پر برطرفیوں۔ نوکر شاہی کی عوام دشمن کارروائیوں۔ واجبات کی وصولی میں سختی۔ بازاروں کو کشادہ کرنے کے نام پر خوانچہ والوں کے خلاف نت نئی کارروائیوں نے شہروں میں عوام کی پریشانیوں میں اضافہ کیا ہے۔ مہنگائی نے شہر اور دیہات کے عوام کو یکساں متاثر کیا ہے۔ کسان کی پیداوار سستے داموں خرید کی جاتی ہے جب کہ وہ بازار میں اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنے کے لئے آتا ہے تو مہنگے داموں میں ملتی ہیں۔ جھنگ فیکٹریوں کے مالکان کپاس کی کوالٹی کی آڑ میں دو سے چھ سیر تک فی من بٹہ لگا کر کسان کو لوٹ رہے ہیں یوں کسان کو ایک سو بیس روپے من سے زائد کپاس کی قیمت نہیں ملتی جب کہ کسان کو ۶۵ روپے بوری کھل بنولہ ملتی ہے ان تمام امور نے دیہات کے لوگوں میں سوچنے کی صلاحیت پیدا کر دی ہے اور یہ صلاحیت دیہات میں نئے شعور کو جنم دے رہی ہے۔ کسان جو کبھی معاشی اقتصادی امور پر بات نہیں کرتا تھا اب اپنے معاشی اقتصادی استحصال پر بڑھ چڑھ کر گفتگو کرتا ہے۔ یہ گفتگو صنعت کار، تاجر آڑھتی کے ساتھ کسان کے تضاد کو معاندانہ شعور میں تیزی سے تبدیل کرتی جا رہی ہے۔ پنجاب کے سماج میں پہلی بار شہری اور دیہاتی کے مابین معاندانہ تضادات کا شعور شدت سے ابھر رہا ہے۔

روز بروز بڑھتے ہوئے معاشی اقتصادی مسائل کے علاوہ ایک اور مسئلہ بھی غریبوں کے لئے پریشان کن بنتا جا رہا ہے۔ وہ ہے تھانوں کچہریوں میں حصولِ انصاف کا مسئلہ۔ گذشتہ پانچ سالہ عہد میں ٹاؤٹ قسم کی چودھراہٹیں ختم ہو گئی تھیں۔ تھانوں کچہریوں میں حصولِ انصاف رشوت اور سفارش کے بغیر ممکن نہیں۔ ماضی میں انصاف چاہنے والوں کو ممبران اسمبلی اور حکمران جماعت کے سیاسی کارکنوں کی سفارش آسانی سے مل جاتی تھی۔ سفارش کے سبب سائل کو رشوت بہت کم دینا پڑتی تھی لیکن اب ممبران اسمبلی موجود نہیں پیپلز پارٹی والوں کی کوئی شنوائی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پانچ سال قبل کی وہ عوام دشمن چودھراہٹیں جو کونوں کھدروں میں چھپ گئی تھیں اور پی پی پی سے خار کھاتی تھیں اب یکایک تھانوں کچہریوں میں نظر آنے لگی ہیں۔ اس نوع کی چودھراہٹیں ہمیشہ ایسی جماعت میں بیٹھتی ہیں جو حکمران ہو یا حکومت میں آنے والی ہو۔ اس لئے یہ عناصر اب خود کو قومی اتحاد کہلواتے ہیں اور تھانوں کچہریوں میں رشوت دلانے کا دھندا کر کے اپنا پیٹ بھی بھرتے ہیں اور سرکاری عمال کا بھی یوں انصاف کے متلاشیوں کو دوہرا جگا ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ مہنگائی کے سبب جگا ٹیکس کی شرح میں بھی سو فیصد اضافہ ہوا ہے اس طرح حصولِ انصاف کے طلبگار (جن کی اکثریت دیہات میں رہتی ہے) پی پی پی والوں کو اچھا کہنے لگے ہیں اور پی پی پی کے "فوری طور پر عام انتخاب کراؤ" کے سلوگن کی مقبولیت کا سبب عوام کے روزمرہ کے مسائل ہیں

میں ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ایک گاؤں میں ایک تعزیت کے لئے گیا۔ صدر سادات اس دن اسرائیل میں تھے اور ہر جگہ موضوع بحث سادات کا دورہ تھا۔ چنانچہ اس تعزیتی مجلس میں بھی حقہ کی گڑگڑاہٹ پر صدر سادات کے دورہ پر کسان گفتگو کر رہے تھے سب ہی کسان کہہ رہے تھے کہ اگر آج بھٹو باہر ہوتا تو سادات کبھی اسرائیل نہ جاتا۔ کسان کی اس سوچ سے بخوبی بھٹو کی دیہات میں مقبولیت اور اندھی عقیدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

دیہات میں اب لوگ ریڈیو پاکستان پر خبریں نہیں سنتے محض گانے سنتے ہیں جب خبریں شروع ہوتی ہیں تو کسان ریڈیو یہ کہہ کر بند کر دیتے ہیں کہ "چھڈو جی بھٹو دے مقدمے تے اتحاد دیاں خبراں توں سوائے خبر کوئی نہیں ہوندی" دیہاتی بی بی سی۔ ماسکو ریڈیو یا انڈیا ریڈیو سنتے ہیں اور پھر تبصرے کرتے ہیں۔

پڑھے لکھے دانشور کسی ان پڑھ سے بھٹو کی تعریف سنتے ہیں تو فوراً اسے بے عقل بے شعور کا خطاب دے دیتے ہیں لیکن جب کسی ان پڑھ اور بے شعور کے ساتھ بحث کا پھڈا پڑ جاتا ہے تو دانشور بے شعوروں سے بھاگ جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ "بے شعور" لوگوں کا شعور جاگ چکا ہے لیکن باشعور سیاسی کارکن دبک کر گھروں میں بیٹھ چکے ہیں۔ پیپلز پارٹی کا تنظیمی وجود کہیں ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ البتہ وہ جو تنظیموں سے باہر ہیں متحرک ہیں

پارٹی کی مرکزی کمیٹی اور پنجاب کمیٹی کے اجلاس ہوتے ہیں لیکن کارکنوں کو ان اجلاسوں میں ہونے والے فیصلوں کا اتنا ہی پتہ چلتا ہے جتنا اخبارات میں آتا ہے عہدیداروں کا آپس میں غیر رسمی رابطہ بھی نہیں. لائل پور جیسے متحرک صنعتی شہر اور سیاسی اعتبار سے بالغ ضلع میں ہزار بار ڈھونڈے سے بھی پی پی پی کی تنظیم کا سراغ نہیں ملتا پورے ضلع میں وکلا کی کوئی ڈیفنس کمیٹی نہیں عوام کے مسائل میں جتنا اضافہ ہو رہا ہے ان کے شعور میں جتنی تیزی آرہی ہے پارٹی کا تنظیمی وجود اتنا ہی غیر مؤثر ہوتا جا رہا ہے. گذشتہ ماہ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا اجلاس ہوا پھر پنجاب کمیٹی کا بھی اجلاس ہوا لیکن صوبائی کمیٹی کے کسی رکن کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ اپنے اپنے ضلع کے کارکنوں کو غیر رسمی طور پر کچھ بتا دیتے. یہ رویہ عام کارکنوں کو مایوس کر رہا ہے. یہ تو بھلا ہو قومی اتحاد والوں کا جو پیپلز پارٹی کے کارکنوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں اور یہی چھیڑ چھاڑ پیپلز پارٹی کے کارکنوں میں ولولہ تازہ جنم دیتی رہتی ہے. ■

تربت — سلیمان شیروف

جماعتِ اسلامی، این ڈی پی پر برہم ہے

ہوائی اڈے کی تعمیر نامکمل، ٹھیکے دار خوشحال ہو گئے

تربت مکران کا ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہے. مکران سے ۱۰ میل اور ایران سے تقریباً ۶۰ میل پر واقع ہے. آبادی ۵۵ ہزار ہے. آبادی کا بڑا حصہ زراعت اور محنت مزدوری پر گزارہ کرتا ہے. روزگار کے وسیع ذرائع نہ ہونے کے سبب بیشتر افراد خلیج کی ریاستوں میں ملازمت کرتے ہیں. گچکی خاندان بااثر طبقہ ہے. آبادی کے دوسرے حصے میں بلوچ ہیں جن کا رشتہ اس سرزمین سے بہت قدیم ہے آبادی کا تیسرا حصہ درزادے پر مشتمل ہے جو یہاں صدیوں سے آباد ہیں. وہ شکل و صورت اور شناخت کے اعتبار سے افریقی نسل کے معلوم ہوتے ہیں. مکران کی اہم سیاسی شخصیات میر کفر خان، شیخ عمر، دوست محمد، امان اللہ گچکی ملا احمد دشتی اور کریم دشتی تربت میں اقامت پذیر ہیں.

اس علاقہ کی سیاست پر دو خاندانوں کا قبضہ رہا ہے اول الذکر خاندان میں معزاب بائی خان، شیخ عمر اور امان اللہ گچکی شامل ہیں، جب کہ دوسرے خانوادے میں میر کفر خان سرفہرست ہیں گچکی خاندان کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ ہمیشہ برسراقتدار طبقہ سے وابستہ رہا. دوسرا خاندان بلوچ قوم پرستی کا علمبردار ہے اور سیاسی طور پر نیپ اور میر غوث بخش بزنجو کا حامی ہے ان دونوں خانوادوں میں ایک چیز قدر مشترک ہے اور وہ یہ کہ سیاست اور مکران کی تقدیر کے فیصلے ڈرائنگ روموں میں کئے جاتے ہیں. دلچسپ امر یہ ہے کہ یہاں ذکری فرقہ کے لوگ بھی آباد ہیں اور ملتوی ہونے والے اکتوبر انتخابات میں جناب رسول بخش درزادہ پرستی کی تبلیغ زور و شور

آزاد کشمیر

احتساب کا نشانہ صرف چھوٹے ملازمین

• نذیر گیلانی •

آئینی اعتبار سے آزاد کشمیر ایک خود مختار علاقہ ہے. ایک الگ آئین، صدر، وزیر اعظم، سپریم کورٹ اور ایسی دیگر بے شمار باتیں جدا ہونے کے باوجود بھی معاملاتِ زیست کو سلجھانے کے لئے پاکستان کے باقی صوبوں میں رائج طریقہ کار پر عمل ہوتا ہے. حقیقت میں انتظامیہ کا ڈھانچہ صوبائی ڈھانچوں سے قطعی الگ نہیں. پھر منسٹری آف کشمیر افیئرز کی مبینہ بدنام مداخلت کے آج تک مظاہرے بے شمار سیاسی، اخلاقی اسکینڈلوں کی صورت میں سامنے آئے. مرکزی سرکار کی دورنگی نے اس علاقے کی سیاست، معاشرت، ترقی اور تمام شعبہ ہائے کار پر جو برا تاثر چھوڑا ہے اس کا علاج محنت اور مسلسل مساعی کا بے پناہ تقاضا لگاتے ہے. پاکستان میں برسر اقتدار آنے والی حکومتیں خود پاکستان کے عوام سے دامن بچاتی رہیں. اس آزاد کشمیر کو تباہی کے فرشتوں کے حوالے کرنا کوئی نئی بات نہ تھی موجودہ احتسابی ہنگامے کا نفسیاتی اور عملی اثر پاکستان کی طرح آزاد علاقے کے تمام حلقوں پر محیط ہے. اثاثوں کی چھان بین بدعنوانی کی تحقیق، غبن، اور منصوبوں میں گھپلوں کے چرچے بھی تذکرے ہوتے ابھی تک عوامی تسلی کے لئے کوئی واضح اور مثبت صورت حال نہیں ابھر سکی. جب کہ مہنگائی میں اضافہ ہو گیا ہے اور عام انسان سے کی جانے والی زیادتیوں کے سراغ ابھی تک ہاتھ نہیں آرہے. احتسابی مشینری کے سامنے جو بنیادی مسائل ہیں ان کا شمار زیادہ مشکل نہیں. عوامی حلقوں میں احتساب کی اس سست رفتاری پر بے چینی ایک فطری امر ہے. تادم تحریر آزاد کشمیر میں تطہیر کے عنوان سے ہلکی سی چھانٹی ہوئی ہے گریڈ نمبر ۱ کے چند افراد کی تنزلی سے یقیناً ایک "بیڈ اسٹارٹ" ہوا ہے. چھوٹے رینک کے سرکاری ملازموں کی تنزلی سے نہ ہی ملک میں مارشل لاء اور نہ ہی آزاد کشمیر میں عبوری حکومت کی موجودگی کا جواز پیدا کیا جا سکتا ہے. کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں اقدامات "وسیع تر قومی مفادات" میں کئے گئے ہیں. مگر سیاست اور انتظامیہ میں ایسی معمولی کارروائیوں سے "وسیع تر قومی مفادات" کبھی محفوظ نہیں ہو سکتے.

بڑے بڑے اہم عہدوں پر فائز، جعلی ڈگریوں اور وفاداریوں کے بے شمار بینک فارم جیب میں رکھنے والوں، چھوٹی بدلی کے عوض اپنے بچوں کو اونچے عہدے دلانے والوں، جعلی الاٹمنٹ کرنے والوں سے باز پرس نہیں کی گئی. حالانکہ برائی ہمیشہ اعلیٰ سطح اور اونچی عمارتوں سے شروع ہوتی ہے. اپنے محلات کے بچاؤ کے لئے جمہور کی جھونپڑیاں نذرِ آتش کرانے پر اکسانا یقیناً ایک غیر انسانی اور غیر مقبول فعل ہے. یہ بات واضح ہے کہ کرپشن اور بدعنوانی کے معاملات میں اعلیٰ سرکاری افسر ہی سیاستدانوں کا آلہ کار بنتے ہیں اور یہ ہماری تاریخ کا المیہ رہا ہے کہ نزلہ ہمیشہ کمزور اور چھوٹے پر پڑا. یہ افسران اس گندے تالاب میں معمولی کیڑوں کی حیثیت رکھتے ہیں. ابتداً اگر مچھلیوں اور مگرمچھوں کی بجائے ساحلی کیڑوں سے کی جاتی تو اندیشہ ہائے صد ہزار کا پیدا ہونا ایک قدرتی بات ہے چھانٹی کا عمل تب تک یکطرفہ، بے جواز اور بے رنگ رہے گا جب تک ان افراد کو حق نہ دیا جاتے جو قابلیت، تعلیم اور پبلک سروس کمیشن (اصلی) کی سفارشات کے باوجود نظر انداز ہوتے رہے. ورنہ اس چھانٹی سے بدنظمی کے علاوہ ایک نئی کرپشن اور طرفداری کا راستہ ہموار ہو جائے گا. ایسے بے شمار نوجوان ہیں جنہیں قابلیت، تعلیم اور پبلک سروس کمیشن کی سفارشات کے باوجود سابقہ دور میں نظر انداز کیا گیا.

سے کرتے رہے۔ جب کہ ذکری فرقہ کے رہنما "ذکریوں کا ووٹ ذکری کے لئے" کا نعرہ لگاتے رہے اس طرح مکران کی سیاست میں پیچ وخم نمودار ہوتے ہیں۔ قبل ازیں وڈزادوں اور ذکریوں کی وفاداری انہی دو سیاسی دھڑوں میں منقسم تھی۔ مکران میں پیپلز پارٹی، جمعیت العلمائے اسلام اور جماعت اسلامی بھی سرگرم عمل ہیں۔ قومی اتحاد بھی موجود ہے مگر اس کی حیثیت خانہ پُری سے زیادہ نہیں ہے۔ مکران کی پانچ نشستوں میں سے چار نشستیں این ڈی پی نے لیں جب کہ پانچویں نشست جمعیت العلمائے اسلام کو دے دی گئی۔ سابق مرکزی اسمبلی کی نشست بھی این ڈی پی کے پاس رہی۔ ادھر جماعت اسلامی والوں نے ایک نشست کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے، مگر ان کی کوششیں کارگر ثابت نہ ہوئیں۔ مبصرین کا خیال ہے کہ آئندہ انتخابات میں بھی سیاسی صورت حال میں کوئی بنیادی تبدیلی نہ ہوگی۔

جماعت اسلامی کے رہنما مکران پر این ڈی پی کی بالادستی پر سخت حیران پا ہیں۔ جناب احمد دشتی نے جو جماعت اسلامی کے رہنما ہیں، این ڈی پی کے رہنما کے اس بیان پر کڑی نکتہ چینی کی کہ جماعت اسلامی بلوچستان میں قومی اتحاد کے ٹکٹ کی حقدار نہیں۔ ۵ جولائی سے قبل مکران میں پیپلز پارٹی کی بڑی دھوم دھام تھی لیکن اب سیاسی دکان کچھ ٹھنڈی پڑ گئی ہے۔ شیخ عمر اور ان کے حواری پہلے ہی پیپلز پارٹی کو داغ مفارقت دے کر آزاد گروپ میں شامل ہو گئے۔

طلبا کی تنظیموں میں بی ایس او، بی ایس او عوامی گروپ اور اسلامی جمعیت طلبا سرگرم ہیں۔ بائیں بازو کی طلبا کی تنظیمیں فی الوقت دھڑے بندی اور باہمی رقابتوں کی شکار رہیں۔

تربت کی حالت بھی دوسرے شہروں کی طرح دگرگوں ہے۔ ایئرپورٹ کی تعمیر جس پر ۱۹۶۴ء سے کام ہو رہا ہے تاحال مکمل نہیں ہوئی۔ تعمیرات کی ٹھیکیداری مستقل بااثر لوگوں کے نام منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح ایئرپورٹ تو مکمل نہ ہو سکا البتہ بہت سے لوگ اچھے خاصے خوشحال ہو گئے۔ حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ مکران کی پسماندگی میں مقامی مفاد پرستوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ ان کی لوٹ کھسوٹ سے کوئی منصوبہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا۔

■

تعلیم

کمیونیکیشن الیکٹرانک میں امتحان پاس کرنے والے کہاں جائیں

احسان عظیم

تیسری دنیا کے ممالک کی پسماندگی کی بڑی وجہ جہاں سامراجی اور صنعتی طور پر ترقی یافتہ ممالک کے ہاتھوں استحصال ہے۔ وہیں ایک سبب ملک میں تیکنیکی مہارت کی کمی بھی ہے۔ ترقی یافتہ اور ترقی پسند قومیں اقتصادی اور سماجی ترقی کے لئے موجودہ صنعتی تقاضوں کے مطابق جدید علوم اور ٹیکنالوجی کو رائج کر رہی ہیں لیکن ہمارے ملک کے ارباب اختیار آج بھی انگریزوں کا عطا کردہ نظام تعلیم سینوں سے لگائے بیٹھے ہیں اس کی ایک عبرت انگیز مثال حال ہی میں سامنے آئی ہے۔

۱۹۷۲ء میں اقبال بھٹی بیرون ملک سے جدید سائنسی تعلیم حاصل کر کے وطن آئے۔ سندھ یونیورسٹی کے شعبہ فزکس میں انہیں پروفیسر مقرر کیا گیا۔ انہوں نے فزکس ڈیپارٹمنٹ میں کمیونیکیشن الیکٹرانک کی عملی تربیت کا ایک نیا کورس رائج کیا۔ کمیونیکیشن الیکٹرانک کی عملی تربیت کے سلسلہ میں ان کا کہنا تھا کہ الیکٹرانک آج کی صنعتی ترقی میں کلیدی حیثیت کی حامل ہے۔ اس لئے ہماری درسگاہوں میں فزکس کی روایتی تعلیم کے ساتھ ساتھ الیکٹرانک کے جدید علم اور تربیت قومی تقاضوں کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔

یونیورسٹی کے فزکس ڈیپارٹمنٹ کی لیبارٹری کو جدید آلات سے آراستہ کیا گیا۔ ایم ایس سی کمیونیکیشن الیکٹرانکس میں داخلہ لینے والے طلبا سے اے ایم/ایف ایم ٹرانسمیشن مائیکرو ویو کمیونیکیشن، ریموٹ کنٹرول، ڈاٹا ٹرانسمیشن سٹلائٹ کمیونیکیشن، فیڈ بیک سرکٹ، کیریئر کمیونیکیشن انولاجی ڈائجیٹل کمیونیکیشن، کوایکشن کیبلز ٹرانسمیشن، ٹرانسمیشن لائنز، انٹی گریٹڈ سرکٹس وغیرہ موضوعات پر نظریاتی تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی تجربات کرائے گئے۔ طلبا سے ان موضوعات پر تھیسس بھی لکھوائی گئی اور عملی مہارت کے ساتھ انہیں کمیونیکیشن انجینئر کی تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا گیا۔ نیا کورس تھا اور سرکاری کے علاوہ تجارتی اداروں کی موجودہ ضروریات کے عین مطابق تھا۔ طلبا نے ذوق و شوق کے ساتھ داخلہ لیا۔ ہر سال تیس پینتیس طلبا کا بیچ فارغ التحصیل ہونے لگا۔ ابتدائی سالوں میں ایم ایس سی الیکٹرانکس کے فارغ التحصیل طلبا کو بی ای انجینئر کے مساوی تسلیم کرتے ہوئے پاکستان براڈکاسٹنگ کارپوریشن پاکستان، ٹیلی ویژن کارپوریشن آئل اینڈ گیس ڈویلپمنٹ کارپوریشن، ٹیلی گراف و ٹیلی فون ڈیپارٹمنٹ پی آئی اے، واپڈا، پاکستان ریلویز، سوئی گیس ٹرانسمیشن کمپنی وغیرہ میں ملازمتیں بھی دی گئیں۔ اسی دوران اقبال بھٹی کو تدریس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر کے حکومت سندھ کا ڈائریکٹر ٹیکنیکل ایجوکیشن مقرر کر دیا گیا۔ دوسری طرف حکومت پاکستان نے ۱۹۷۶ء میں انجینئرنگ کا قانون نافذ کیا۔ انجینئرنگ ایکٹ ۱۹۷۵ء کے تحت انجینئرنگ کونسل تشکیل دی گئی اور انجینئروں کی وضاحت کرنے کے لئے ایک شیڈول میں انجینئروں کی کیٹیگری کی وضاحت کی گئی۔ قانون بنانے والے انگریزی دور کے تعلیم یافتہ تھے۔ یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں پڑھائے جانے والے نصاب کی معلومات حاصل کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی اور انجینئروں کی روایتی فہرست کو قانون کا درجہ دے دیا۔ ایم ایس سی کمیونیکیشن الیکٹرانکس نیا نصاب تھا۔ اس کو انجینئرنگ ایکٹ کے شیڈول میں شامل نہیں کیا گیا۔ قانون سازوں کی لاپرواہی اور کوتاہی کی سزا ان غریب طلبا کو بھگتنی پڑی جنہوں نے اس شعبہ میں داخلہ لیا تھا۔ طلبا کے مطابق ایم ایس سی کمیونیکیشن الیکٹرانکس میں اب تک تقریباً ڈیڑھ سو طلبا نے ڈگری حاصل کی ہے۔ جب کہ تقریباً ڈھائی سو طلبا زیر تعلیم ہیں سندھ یونیورسٹی میں ڈاکٹر عبدالحسن شاہ بخاری نے اسی سال سے ایک اور نیا کورس کمپیوٹر الیکٹرانکس بھی شروع کر دیا ہے چونکہ ایم ایس سی کمپیوٹر الیکٹرانکس بھی انجینئرنگ کونسل کے شیڈول میں شامل نہیں ہے۔ لہٰذا اس کورس کے طلبا بھی اس دشواری کا شکار ہو سکتے ہیں۔ جن کا سامنا آج ایم ایس سی کمیونیکیشن الیکٹرانکس کے فارغ التحصیل طلبا کو کرنا پڑ رہا ہے۔

ایم ایس سی کمیونیکیشن الیکٹرانکس کے طلبا کی شکایات کی حقیقت سمجھنے کے لئے ہم نے سندھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ مبارک ایاز سے رابطہ قائم کرنا چاہا۔ موصوف علامہ اقبال کی صد سالہ سالگرہ کے سلسلہ میں پنجاب گئے ہوئے تھے پرو وائس چانسلر مسٹر غلام ربانی

باقی صفحہ ۳۹ پر

سلک انڈسٹری کا بحران

محمد علی قادری - پبلسٹی سیکرٹری ورکرز - آرگنائزنگ کمیٹی - سندھ

سِلک انڈسٹری کے مالکان نے ایک تیر سے دو شکار کیے

ٹیکس بچایا، مزدوروں کی چھانٹی کی، ویونگ کے کھاتے بند کر دیئے

کاٹن ٹیکسٹائل کی صنعت کے بعد دوسری اہم اور ملک کی بنیادی صنعت آرٹ سلک ٹیکسٹائل رہی ہے اس صنعت کے مزدور نہ صرف قومی ضروریات کو پورا کرتے بلکہ ملک کے لئے کثیر مقدار میں زرِ مبادلہ بھی کماتے ہیں لیکن تمام صنعت پر اور خصوصیت سے صنعت سے وابستہ کاریگروں کے حالاتِ کار پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو سرمایہ دار اور ان کے ماہرین اقتصادیات کی خودساختہ شماریات اور ملکی اقتصادی ترقی اور استحکام میں سرمایہ داروں کی "خدمات" کے دعووں کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔

اس صنعت میں ایوب خان کے دور میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کی گئی اور اس صنعت کو ترقی دینے کے لئے سرمایہ داروں کو تین سال تک ٹیکسوں میں چھوٹ دے دی گئی۔ اس کے علاوہ مصنوعی ریشے کی درآمد سمیت دیگر کافی مراعات بھی دی گئیں۔ صرف کراچی میں تیس سے زیادہ بڑی بڑی ملیں لگیں۔ اس کے علاوہ بے شمار چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں بھی تھیں جن میں کم از کم پچاس پچاس مزدور کام کرتے تھے۔

ایوب خان کے ابتدائی دور میں مزدوروں کو ہر قسم کے حقوق سے محروم رکھا ہوا تھا۔ یونین سازی اجتماعی سودے کاری اور ہڑتال کے حقوق عملی طور پر مفقود تھے، مزدوروں پر بے پناہ تشدد تھا اور مزدور جانوروں کی طرح کام کرنے پر مجبور تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۶۳ء کی مزدوروں کی انجمن سازی کی آزادی کی جدوجہد اور یکم مارچ کی سنہ ۱۹۶۳ء کی عام ہڑتال کے نتیجے میں حکومت محنت کشوں کو ٹریڈ یونین کی تنظیم کاری اور اجتماعی سودے کاری کے لئے محدود سرگرمیوں کی اجازت دینے پر مجبور ہوئی۔ اس کے بعد دوسری صنعتوں کے مزدوروں کی طرح سلک کی صنعت کے مزدوروں نے بھی یونین منظم کرنا شروع کر دیں۔ کچھ ہی عرصے بعد ۶۸-۱۹۶۷ء میں سلک یونینیں نہایت ہی طاقتور اور منظم قوت بن کر ابھریں۔

اس طرح سے سلک کا مزدور جو اب تک جانوروں کی طرح کام کرنے پر مجبور تھا یونینوں میں منظم ہو کر اپنے حقوق اور مراعات کی بات بھی کرنے لگا۔ چنانچہ سلک کی فیکٹریوں اور ملوں کے مالکان کو مزدوروں کے حقوق و مراعات کی طرف بھی توجہ دینا پڑی دوسری طرف ٹیکس کے چھوٹ کی مدت ختم ہونے کے بعد حکومت کا ٹیکس بھی واجب الادا ہونے لگا چنانچہ سلک کی صنعتوں کے مالکان جو اس سے پہلے دونوں ہاتھوں سے منافع لوٹ رہے تھے نہ ان کو مزدوروں کے حقوق و مراعات کی فکر تھی نہ حکومت کے ٹیکس کی، نئی صورتحال سے دوچار ہو گئے سرمایہ داروں کی ہوس زرگری کی انتہا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے منافع میں ذرہ برابر کمی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ پاکستان میں سرمایہ داروں نے جس ہوشربا طور پر منافع خوری کی ہے اس کے باعث ان کی نظر میں عام منافع سراسر بلکہ کمر توڑ نقصان کے برابر ہے۔ چنانچہ سلک ملز اور فیکٹریوں کے مالکان نے اس نئی صورت حال میں بجائے اس کے کہ وہ اپنے مزدوروں کی قوت محنت سے حاصل کردہ اس ہوشربا منافع میں مزدوروں کو ان کے قانونی حقوق و مراعات دیں اور حکومت کی طرف سے عائد کردہ برائے نام ٹیکس ادا کریں یہ فیصلہ کیا کہ لیبر ڈیپارٹمنٹ وزارت صنعت و تجارت اور دیگر اعلیٰ رشوت خور افسران کی مدد اور اعانت سے ایسے اقدامات کریں کہ مزدوروں اور حکومت کی ادائیگیوں سے بچ جائیں۔ چنانچہ اس نئی صورت حال سے نمٹنے کے لئے سلک کے صنعت کاروں نے ایک تیر سے دو شکار کھیلنے کے لئے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایک طرف تو مزدوروں کی اجتماعی اور منظم قوت کو منتشر اور ان کی سودے کاری کو غیر مؤثر بنانے اور دوسری طرف حکومت کے عائد کردہ ٹیکسوں سے راہِ نجات حاصل کرنے کے لئے بڑی بڑی ملوں کے ویونگ کھاتے بند کرنا شروع کر دیئے۔ اس کے جواز کے لئے سرمایہ داروں نے مصنوعی بحران پیدا کر دیا جو ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ویونگ کھاتوں میں مزدوروں کی بڑی تعداد کام کرتی ہے، سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ویونگ کھاتے تو بند کر دیئے گئے لیکن بیشتر ڈائنگ اور پرنٹنگ کھاتے برقرار رکھے گئے جو اپنی پوری استعداد سے چلائے جاتے رہے اس لئے کہ ڈائنگ اور پرنٹنگ کھاتوں میں مزدوروں کی اتنی بڑی تعداد کام نہیں کرتی جو مالکان کے لئے کسی "خطرے" کا باعث بنیں،

نتیجے میں ہزاروں کی تعداد میں مزدوروں کی چھانٹیوں کا سلسلہ شروع ہوا، اس سازش کے نتیجے میں جس میں سرمایہ داروں کے ساتھ مختلف وزارتوں کے راشی اعلیٰ افسران بھی شامل تھے بڑے پیمانے پر چھانٹی، تالہ بندی اور مسلسل بے روزگاری کے حالات پیدا کر دیئے گئے۔

مزدوروں کی طرف سے اس سازش کے خلاف ہر مزاحمت کو ہر قدم پر سختی سے کچلا جاتا رہا۔ دوسری طرف ان بند ویونگ کھاتوں سے لوم اکھاڑ اکھاڑ کر شہر کے مختلف علاقوں میں ۵ سے ۱۰ لوم پر مشتمل سینکڑوں

چھوٹے چھوٹے کارخانوں میں منتقل کیے جاتے رہے۔ اس طرح سے بڑی ملوں کے ویونگ کھاتوں کو بند کرکے مزدوروں کو یونینوں کو غیر موثر کر دیا گیا۔ اور چھانٹی تالہ بندی اور مسلسل بے روزگاری کے حالات پیدا کرکے سرمایہ داروں نے اپنے لئے نہایت سازگار حالات پیدا کر لئے اور ان کے لئے یہ بات انتہائی آسان ہو گئی کہ اپنی من مانی شرائط پر مزدوروں سے ۵ سے لے کر ۱۰ لومز تک پر مشتمل چھوٹی فیکٹریوں اور ملوں میں کام لیا جائے تاکہ ایک طرف تو نہ صرف سرمایہ داروں کو مزدوروں کے تمام قانونی حقوق اور مراعات سے چھٹکارا مل جائے۔ نیز اپنے ملوں میں مزدوروں کی نہایت قلیل تعداد ہونے کی بنیاد پر مزدوروں کی اجتماعی سودے کاری کی قوت سے نجات مل جائے دوسری طرف وہ حکومت کی ٹیکسوں کی ادائیگی سے بھی بچ جائیں۔ اس طرح سے سلک کے سرمایہ دار نوکر شاہی کی مدد سے نہ صرف مزدوروں کے بلکہ قومی سرمائے کے کروڑوں روپے ہضم کر لیتے ہیں۔

سلک کی چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں کراچی کے مختلف صنعتی علاقوں اور مزدور بستیوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ بشیر شاہ سعید آباد، مہاجر کیمپ، بہار کالونی، اورنگی ٹاؤن، فیڈرل بی ایریا، لانڈھی کورنگی۔ سائٹ کی بڑی بڑی بند ملوں کے اندر چھوٹے چھوٹے کھاتے گلبائی، نیو کراچی، وغیرہ۔ ان فیکٹریوں میں سے کوئی بھی فیکٹری۔ فیکٹری ایکٹ کے معیار کے مطابق نہیں ہیں اور ان میں سے بیشتر اس ایکٹ تحت رجسٹرڈ بھی نہیں ہیں۔ لوموں کی تعداد کے لحاظ سے فیکٹری کا رقبہ بہت ہی کم ہوتا ہے لومیں اتنی قریب قریب نصب کی ہوئی ہوتی ہیں کہ کاریگر بآسانی ایک لوم سے دوسرے لوم تک آجا بھی نہیں سکتا ہے ذرا سی غفلت اس کے جسمانی یا جان کے نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ تازہ ہوا، روشنی اور پینے کے پانی کا کوئی معقول بندوبست نہیں ہوتا ہے۔ غسل خانہ بیت الخلاء کا تو خیر سرے سے تصور ہی نہیں ہے۔ اگر کسی مزدور کو اس کی ضرورت محسوس ہو تو یا تو بھاگا ہوا اپنے گھر جائے اگر نزدیک ہو تو ورنہ چھٹی تک اس خیال کو ملتوی کر دے۔ جن علاقوں میں یہ فیکٹریاں ہیں وہاں پر نہ تو عام صفائی اور گندے پانی کی نکاسی اور سڑکوں کا کوئی بندوبست ہے۔ بارشوں کے موسم میں کمر کمر تک پانی ہوتا ہے اور بارشوں کے کئی ہفتوں بعد تک ٹخنوں ٹخنوں کیچڑ ہوتا ہے۔ اس سے گذر کر کاریگروں کو فیکٹریوں تک پہنچنا پڑتا ہے۔ غرض یہ کہ ایسا لگتا ہے کہ بس چند دنوں کے لئے عارضی طور پر ان علاقوں میں کام چلایا جا رہا ہے۔ لیکن یہ حالات پچھلے تقریباً آٹھ برسوں سے ہیں۔

حالات کار کے بعد ایک نظر سلک کے مزدوروں کے اوقات کار اور شرائط ملازمت پر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ آج کی دنیا میں جب کہ کم سے کم اوقات کار کے تعین اور بہتر شرائط ملازمت کے لئے ہر مہذب معاشرہ ضمانت دیتا ہے لیکن اس صنعت کے مزدوروں کے اوقات کار اور شرائط ملازمت سترہویں اور اٹھارویں صدی کے ابتدائی صنعتی دور سے بھی بدتر ہیں۔ سوائے چند تہواری چھٹیوں مثلاً دونوں عیدیں ۱۰ محرم وغیرہ کے تمام فیکٹریاں ۲۴ گھنٹے چلتی ہیں حتیٰ کہ ہفتہ وار چھٹی بھی نہیں دی جاتی ہے۔ ہر فیکٹری مالک کی کوشش ہوتی کہ اسٹینڈنگ آرڈر آرڈی نینس کے اطلاق سے بچا جائے۔ جو کہ ۲۰ مزدوروں پر لاگو ہوتا ہے اس مقصد کے تحت ۱۲-۱۲ گھنٹے کی دو شفٹیں چلائی جاتی ہیں اور جمعہ کے دن مزدور کی شفٹ تبدیل کرنے کے لئے ۱۸ گھنٹے ڈیوٹی دینی پڑتی ہے۔ اور ہر مزدور کو لازمی طور پر ۴ لوم چلانے پڑتے ہیں۔ اس طرح اگر ۱۰ لوم کی فیکٹری ہوتی ہے تو اس میں چھ ویور ۲ پرنوا انڈر اتلی ۱ منشی۔ ۱ فولڈر اور ایک جابر یا ماسٹر جو کہ بیک وقت ایک سے زیادہ فیکٹریوں کی نگرانی کرتا ہے، ہوتے ہیں اسٹینڈنگ آرڈر آرڈی نینس کے تحت مزدور کو ملازمت کا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ بغیر قانونی جواز کے اسے نکالا نہیں جا سکتا ہے اور غیر قانونی برطرفی کی صورت میں بحالی کی ضمانت ہوتی ہے۔ ۹۰ فیصد فیکٹریوں میں نہ تو شاپ ایکٹ کے تحت اور نہ ہی فیکٹری ایکٹ کے تحت مزدوروں کی ملازمت کا کوئی باضابطہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ البتہ ہر فیکٹری مالک ایک ریکارڈ ضرور رکھتا ہے وہ یہ کہ ہر مزدور سے ملازمت اختیار کرنے کے پہلے دن چند سادے کاغذوں اور سادے ووچروں پر دستخط لے لئے جاتے ہیں اس سے انکار پر ملازمت نہیں دی جاتی ہے یہ دستخط شدہ سادے کاغذ اور ووچر اس وقت استعفیٰ اور تمام واجبات کی وصولی کا ثبوت بن جاتے ہیں۔ جب مزدور اپنے حقوق کے حصول اور مالکان کی بے قاعدگیوں کے خلاف لیبر ڈیپارٹمنٹ یا لیبر کورٹ سے رجوع ہوتا ہے۔

فیکٹری ایکٹ اور شاپ ایکٹ ہر دو ایکٹ کی رو سے ہر مزدور کو تہواری چھٹی، ہفتہ وار چھٹی۔ ۱۰ اتفاقی اور ۱۰ ڈاکٹری ۱۶ سالانہ چھٹی با تنخواہ ملنی چاہیے۔ لیکن اس صنعت کے مزدور کو کوئی چھٹی نہیں ملتی ہے اور اگر بہ حالت مجبوری کسی نے چھٹی کی تو دوسرے دن اس کو ملازمت سے جواب مل جاتا ہے۔ برطرفی کی صورت میں نہ تو نوٹس تنخواہ دی جاتی اور نہ ہی سالانہ چھٹی کی اجرت حالانکہ ان حقوق کی مذکورہ دونوں ایکٹ کے تحت

کول مائنز کے مزدوروں کو ہر دو ماہ کے بعد برطرف کر دیا جاتا ہے

مالکان نے طے شدہ معاہدوں پر عملدرآمد کرنے سے انکار کر دیا

یونائیٹڈ ورکرز فیڈریشن سے ملحق کول مائنز کھانوٹ کے تمام ٹریڈ یونین کے عہدیداران نے ایک مشترکہ بیان میں ایچ۔ ایم اقبال کول مائنز کھانوٹ کے مالکان کی۔ مزدور دشمن غیر قانونی کارروائیوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایچ ایم اقبال کول مائنز کھانوٹ کے مالک نے ماضی میں مزدوروں اور یونین کے عہدیداروں پر بہیمانہ مظالم کئے۔ مزدوروں کو پہلے سے حاصل شدہ حقوق سے محروم کیا۔ بعض اوقات پینے کا پانی تک بند کیا اور کئی کئی ماہ مزدوروں کو واجبات کی ادائیگی دینے سے انکار کیا۔ لیبر قوانین کی کھلی خلاف ورزیاں کیں۔ لیکن یونین کے عہدیداران کے بار بار شکایات کرنے کے باوجود حکام نے مالک اور انتظامیہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ اس سے مالکان کی ہمت افزائی ہوئی اور اب بھی ایچ۔ ایم اقبال کول مائنز کے مالک اور اس کے اہلکاروں نے مزدوروں اور ٹریڈ یونین کے عہدیداران کے خلاف ہر قسم کی غیر قانونی کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ یونین کے پیش کردہ مطالبات پر تقریباً چھ ماہ سے

ضمانت دی گئی ہے۔ اس طرح ۸ گھنٹوں سے زیادہ گھنٹوں کے کام کا کوئی اوور ٹائم بھی نہیں دیا جاتا ہے۔ اجرتوں اور مہنگائی الاؤنس کا معاملہ بھی مالکان کی صوابدید پر ہے۔ تین سال قبل جب کہ آج سے قدرے مہنگائی کم تھی۔ ۴۰ پیسے فی گز اجرت دی جاتی تھی اور کہیں کہیں مہنگائی الاؤنس بھی دیا جاتا تھا جب کہ مہنگائی میں اضافہ ہوا ہے۔ اس صنعت کے مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ کی بجائے سابقہ ۴۰ پیسے فی گز اجرت کو گھٹا کر ۳۰ سے ۳۵ پیسے فی گز کر دی گئی ہے۔ یہ کٹوتی مہنگائی الاؤنس کو بنیادی تنخواہ میں ضم کرنے کے اعلان سے چند ماہ پہلے کی گئی تھی اور اس اعلان کے بعد اجرتوں کے علاوہ جو مہنگائی الاؤنس ملا کرتا تھا وہ بھی بند کر دیا گیا۔ اور اگر مزدور اس الاؤنس کا مطالبہ کرتا ہے تو ایک سے دو پیسے فی گز اجرت میں اضافہ کر دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مہنگائی الاؤنس ضم کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ سلک کے کاریگر دولیہ۔ مروڑی والا۔ سارٹنگ والا اور (پر) پیس ریٹ ورکرز ہوتے ہیں ان کو کوئی بنیادی تنخواہ نہیں دی جاتی۔ ہر سلک کا ویور ہر ماہ (۳۰ دن) میں اوسطاً ۱۲۰۰ گز کپڑا بنتا ہے۔

سوشل سیکورٹی اسکیم کے تحت گھریلو ملازمین تک رجسٹرڈ کئے جاتے ہیں اور اس اسکیم کے تحت ہر صنعتی ادارے کو لازمی طور پر ہر مزدور کو رجسٹرڈ کروانا ہوتا

ملازمت کے پہلے دن ہی کارکنوں سے سادے کاغذوں اور واؤچروں پر دستخط لئے جاتے ہیں

ہے۔ اس صنعت میں ہزاروں کی تعداد میں مزدور کام کرتے ہیں لیکن کسی بھی فیکٹری کے مزدور اس ادارے میں رجسٹرڈ نہیں کئے گئے۔

سلک کی فیکٹریوں کے مالکان نے مزدوروں کو مزید لوٹنے اور ان کے لئے ہر طرح سے قانونی ذریعہ سے اپنے حقوق حاصل کرنے کے راستوں کو بالکل ہی مسدود کرنے کے لئے ان مزدوروں پر ٹھیکہ سسٹم مسلط کیا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ ان فیکٹریوں کا بالواسطہ اور بلاواسطہ تعلق بڑی ملوں سے ہوتا ہے۔ عموماً ان فیکٹریوں میں اوور ہیڈ چارجز پر بڑی ملوں سے ۱ء۰۰ روپے سے ۱ء۵۰ روپیہ تک فی گز اوور ہیڈ چارج وصول کرتے ہیں اور اپنی ہی فیکٹری کو ٹھیکے پر دے کر ٹھیکیدار کو ۶۵ پیسے سے ۷۰ پیسے دیتے ہیں اور یہ ٹھیکے دار ویور کو صرف ۲۵ پیسے فی گز دیتا ہے۔ اور یہ ٹھیکیدار عموماً فیکٹری مالکان کے رشتہ دار یا خاص افراد ہوتے ہیں۔ ہر نئے ٹھیکیدار کی تبدیلی کے ساتھ سابقہ مزدور بھی تبدیل کر دیئے جاتے ہیں۔ اور ہر ٹھیکیدار اپنے خاص آدمیوں کو ساتھ لے کر آتا ہے اور اس کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ مزدور اس کی مرضی کے مطابق کام کریں۔ یہ ٹھیکیدار کئی کئی فیکٹریوں کے ٹھیکیدار ہوتے ہیں۔ وہ مزدوروں کو صرف ان کی روزانہ پیداوار کی اجرت دینے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ اور اگر کسی مرحلے پر مزدور اپنے جائز اور قانونی حقوق کے لئے مطالبہ کرتے ہیں تو وہ پہلے تو اپنے تعلقات اور احسانات کے حوالے سے مزدوروں کو اپنے مطالبات سے دستبردار ہونے پر مجبور کرتا ہے۔ اگر اس کے باوجود مزدور اپنے مطالبات پر ڈٹے رہتے ہیں تو اس صورت میں وہ ٹھیکہ ختم ہو جانے کا ڈرامہ کرتا ہے اور یہ کہتے ہوئے لاتعلقی کا اظہار کرتا کہ میں بھی تو فیکٹری کا ملازم تھا۔ اب چونکہ میرا ٹھیکہ ختم ہو گیا ہے لہٰذا اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اور اگر مزدور فیکٹری مالک سے رجوع ہوتے ہیں تو وہ یہ کہہ کر اپنی جان چھڑاتے ہیں۔ کہ فیکٹری تو ہم نے ٹھیکہ پر دی تھی اور تم ٹھیکیدار کے مزدور ہو لہٰذا تمہارے معاملات کا ٹھیکیدار ذمہ دار ہے۔ اس طرح مزدور ٹھیکیدار اور فیکٹری مالک کی ملی بھگت کا شکار ہوتا اور ہر طرف سے ناامید ہو کر پھر کسی دوسرے ٹھیکیدار کے استحصالی چکر میں پھنسنے پر مجبور ہو جاتا ہے کیونکہ روزگار حاصل کرنے کے لئے کسی نہ کسی ٹھیکیدار سے واقفیت ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر کسی بھی سلک کی فیکٹری میں کام نہیں ملتا۔

اتنے بڑے پیمانے پر ٹیکسوں کی چوری اور ملک کے مروجہ لیبر قوانین کی کھلی خلاف ورزیوں کے بارے میں کسی نہ کسی طرح متعلقہ محکموں کے علم میں بات آتی ہے۔ مثلاً سینکڑوں مزدوروں کی ان تمام بے قاعدگیوں کے خلاف لیبر ڈیپارٹمنٹ میں درخواستوں کے ذریعے وغیرہ لیکن اس کے باوجود ان بدعنوانیوں اور بے قاعدگیوں کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی کسی دن بھی عمل میں نہیں لائی گئی۔ سوائے اس کے کہ ہر ماہ یا دو ماہ کے بعد لیبر ڈیپارٹمنٹ کے افسران کا ایک ہنگامی دورہ ان علاقوں میں ہوتا ہے۔ سننے میں آتا ہے کہ ریکارڈ طلب کئے گئے ہیں لیکن اس کے بعد نہ تو مزدوروں کے حالات کار اور شرائط میں کوئی تبدیلی آتی ہے اور نہ ہی ان دھاندلیوں اور بے قاعدگیوں میں کوئی کمی ہوتی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس سارے کاروبار میں سرمایہ داروں کے ساتھ لیبر ڈیپارٹمنٹ اور دیگر سرکاری محکموں کا جائز اور غیر قانونی تعاون ہے۔ ●●

کنسیلی ایشن آفیسر کے پاس بات چیت جاری ہے، مگر انتظامیہ وہ مطالبات بھی ماننے کو تیار نہیں جو دوسری تمام کول کمپنیوں کے مالکان نے مان کر یونینوں کے ساتھ معاہدے کئے ہیں۔ بلکہ یونین سے مطالبات پر بات کرنے کو تیار نہیں۔ مزدوروں کو ہر دو ماہ کے بعد برطرف کیا جاتا ہے اور پھر نئی سروس پر رکھا جاتا ہے۔ پے منٹ بالکل غلط طریقوں سے بنا کر مزدوروں کو آپس میں لڑانے کی کوشش جاری ہے اور یونین کے ساتھ کئے گئے پہلے والے کسی معاہدے پر عمل نہیں کیا جاتا۔ تقریباً تمام یونین لیڈروں کو انڈسٹریل ڈسپیوٹ کی موجودگی میں غیر قانونی طور سے ملازمت سے نکال دیا گیا۔ اور لیبر قانون کے ہر سیکشن کی تقریباً خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔

بیان میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے کہ ایچ۔ ایم اقبال کول مائنز ورکرز یونین کی سالہا سال سے شکایات کے باوجود قانون کی سنگین خلاف ورزیوں پر انتظامیہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اس کے برعکس انتظامیہ کے گٹھ جوڑ اور اثر و رسوخ سے یونین کے جنرل سیکرٹری کے گھر پر دوبارہ جھوٹی شکایات پر چھاپے مارے گئے اور دیگر تمام عہدیداران کو بھی کئی بار پولیس نے پریشان کیا۔ مشترکہ بیان میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون سی سے اپیل کی گئی ہے کہ ایچ ایم اقبال کول مائنز کھانوٹ کی انتظامیہ کے خلاف لیبر قوانین کی سنگین خلاف ورزیوں مزدوروں کے جائز مطالبات تسلیم نہ کرنے اور انڈسٹریل ڈسپیوٹ کی موجودگی میں یونین کے عہدیداران کو ملازمت سے برطرف کرنے اور دیگر انتقامی کارروائیوں پر کارروائی کی جائے۔ اس بیان پر ایچ ایم اقبال کول مائنز ورکرز یونین، ایچ۔ ایم حبیب اللہ کول مائنز اسٹاف لیبر یونین، نیشنل کول مائنز ورکرز یونین، انڈس کول مائنز ورکرز یونین اور بلوچستان کول مائنز ورکرز یونین کے عہدیداروں کے دستخط ہیں

پاکستان انٹرنیشنل

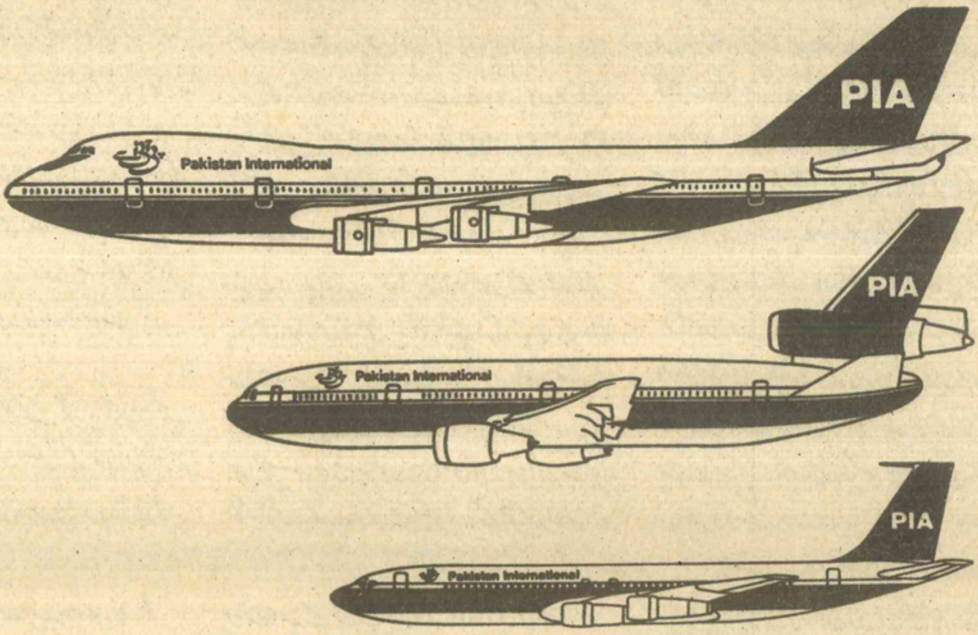

جو دیکھتے ہی دیکھتے لیگ کی صفِ اوّل کی ایئرلائنز میں شمار کی جانے لگی۔
اس مختصر مدّت میں ایسی شاندار ترقی نے دُنیا کو محوِ حیرت کر دیا ہے۔
چنانچہ گذشتہ برس دُنیا کے ۷۵ مختلف شہروں سے ۲۲ لاکھ مسافروں نے
پی آئی اے سے سفر کیا۔
پی آئی اے کا فضائی بیڑا جدید ترین بوئنگ ۷۴۷، ڈی سی ۱۰ اور بوئنگ ۷۰۷ قسم کے
طیاروں پر مشتمل ہے جن کا دائرۂ پرواز دُنیا کے چہار براعظم پر پھیلا ہوا ہے۔

مزید معلومات کے لئے براہ کرم اپنے ٹریول ایجنٹ یا پی آئی اے
بکنگ آفس سے رابطہ قائم کیجئے۔

PIA پی آئی اے
پاکستان انٹرنیشنل
باکمال لوگ - لاجواب پرواز

1AL-1PP-18-77

RIO (K) PID

لیاری میں عورتوں اور بچوں کے جلوس میں "بھٹو کو رہا کرو" کے نعرے

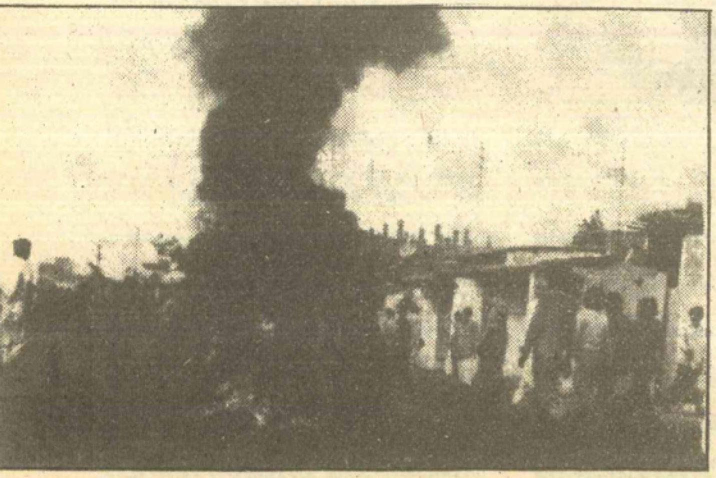

لیاری کا لاوا، پولیس کا لاٹھی چارج اور گرفتاریاں

ہنگامہ لیاری سے، شیر شاہ روڈ ماری پور اور نیا آباد تک پہنچ گیا

نمائندہ الفتح

لیاری اور لیاقت آباد میں فرق یہ ہے کہ ایک شہر میں ہے اور دوسرا شہر سے باہر۔ اگر یہی ہنگامہ لیاقت آباد یا ناظم آباد میں ہوتا تو پورا شہر مفلوج ہو کر رہ جاتا۔ ہر طرف سراسیمگی اور بھگدڑ مچ جاتی۔ دکانیں بند ہو جاتیں اور ٹریفک کی آمد و رفت بند ہو جاتی۔ سڑکوں پر ہو کا عالم ہوتا اور سناٹے میں ملٹری اور پولیس کے ٹرک گشت کرتے۔

لیاری کا ہنگامہ خاصہ بڑا تھا لیکن اس کے اثرات شہر میں محسوس تو کئے گئے، مگر پھیلے نہیں۔ اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے کہ لیاری مین شہر سے دور ہے۔ مگر یہ بتانا ضروری ہے کہ اگر لیاری میں ایسے دو ایک ہنگامے مزید ہو گئے تو شہر کی عافیت بچے گی نہیں۔ ویسے اس بات کی بھی کوشش کی جائے گی کہ لیاری والوں کی ناکہ بندی کر کے ان کو یک و تنہا کر دیا جاتے۔ باوجود اس کے کہ شہر کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں اور رہیں گی۔

آتما رام پریتم روڈ پر پہنچا تو کچھ لوگ ایک عورت کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے جو پولیس کے ڈنڈے کی ضربات سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ لیاری کی سڑکوں اور گلیوں میں وہاں کے باشندوں اور لٹھ بردار پولیس والوں کے درمیان رگیدا رگیدی کا مشغلہ جاری تھا پولیس والے تنگ تھے۔ دانت کچکچا رہے تھے۔ کیونکہ وہ جب کبھی لٹھ گھما کر کسی ہجوم پر دوڑتے تو لوگ جادوئی جن کی طرح گلیوں میں تحلیل ہو جاتے اور اٹھا ہوا لٹھ خلا میں لہرا کر ٹھک سے زمین پر گر پڑتا۔ شکار کے ہاتھ سے نکل جانے پر جتنا افسوس شکاری کو ہوتا ہے اتنا ہی پولیس والوں کو تھا۔ جگہ جگہ، گلیوں کے نکڑ اور سڑکوں پر ٹائروں کا الاؤ جل رہا تھا۔ سیاہ دھوئیں کے مرغولے آسمان کی جانب اٹھ رہے تھے۔ مسان روڈ پر ٹائروں اور لکڑیوں کو جلا کر روڈ بند کر دی گئی تھی۔ بعد ازاں یہ سلسلہ شیر شاہ روڈ، ماری پور

ڈاکٹر امیر احمد

ایس ایم عمر

علاؤالدین عباسی

شعلہ آسیونی

رضا ربانی

لہو ڈل اور نیا آباد تک پہنچ گیا۔

بے ہوش عورت مریم ہوش میں آ گئی تھی۔ اُسے اٹھا کر قریبی مکان کے کمرے میں پہنچا دیا گیا جس کا ایک دروازہ شکستہ تھا اور کنڈی ٹوٹی ہوئی تھی۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی شعاعوں کی ایک گہری لکیر اس کے تھر تھراتے ہوئے پاؤں پر پڑ رہی تھی۔ اُسے پانی پلایا گیا۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا کہ تقریباً گیارہ بجے علاقے کی کچھ عورتیں بیگم نور جہاں سومرو کے بنگلہ پر پہنچیں جہاں وہ نظر بند ہیں۔ پولیس نے انہیں اندر جانے سے روکا تو انہوں نے احتجاج کیا۔ بڑی گندی زبان استعمال کی گئی۔ جب عورتوں نے احتجاج کیا تو چند پولیس والوں نے ڈنڈے گھما کر عورتوں کو بھگانے کی کوشش کی۔ جن عورتوں کو ڈنڈے لگے ان کی چیخ و پکار سے بیگم نور جہاں سومرو باہر نکل آئیں۔ انہوں نے منع کیا کہ عورتوں کے ساتھ پولیس کا یہ سلوک انسانیت سے گرا ہوا ہے۔ اس پر ایک پولیس افسر نے ڈپٹ کر انہیں حکم دیا کہ وہ اندر جائیں۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ اسی دوران وہاں مرد بھی جمع ہو گئے۔ انہوں نے پولیس والوں کو سمجھانے کی کوشش کی تو ایک بار پھر پولیس والے چھڑیاں اور ڈنڈے لہراتے ہوئے ہجوم پر پل پڑے اور جو اُن کے ہاتھ آیا اسی کی جی بھر کے پٹائی کی گئی۔

پولیس کے اس رویے سے ہجوم مشتعل ہو گیا اور لوگوں نے پتھراؤ شروع کر دیا۔ ہجوم کی پیش قدمی سے پولیس والے بوکھلا کر فرار ہو گئے۔ مگر کچھ ہی دیر بعد تازہ کمک کے ساتھ دوبارہ اس مقام پر پہنچ گئے۔ ان کی اس حرکت کی وجہ سے حالات مزید بگڑ گئے۔"

پولیس کے تعاون سے ہنگامہ رات گئے تک

دو پولیس والے عوام پر پتھراؤ کر رہے ہیں

جاری رہا۔ ہجوم نے دو ایک بسوں کو نذرِ آتش کرنے کی کوشش کی، مگر وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہے۔ ایک بنک پر بھی سنگباری کی گئی۔ سڑکوں پر رکاوٹوں اور الاؤ کی وجہ سے رات گئے تک ٹریفک کا سلسلہ معطل رہا۔ پولیس نے ۱۸ر دسمبر کی رات کو جن لوگوں کو گرفتار کیا ان میں حاجی رمضان، عبدالستار، محمد اسمٰعیل غلام حیدر، محمد یوسف، عبدالحمید، عبدالمجید، عبدالغنی، ہارون اور صدیق شامل ہیں۔ ان میں اسمٰعیل اور محمد یوسف کو بیماری کی حالت میں ان کے گھروں سے گرفتار کیا گیا۔ ۱۹ر دسمبر کو علی الصبح پیپلز پارٹی کے جن رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا۔ ان میں رضا ربانی، ڈاکٹر امیر احمد، علاؤالدین عباسی، ایس ایم عمر، شعلہ آسیونی اور صلاح الدین طوفانی شامل ہیں۔ ہماری اطلاعات کے مطابق مذکورہ رہنماؤں کے علاوہ کارکنوں کی بڑی تعداد کو بھی جگہ جگہ چھاپے مار کر حراست میں لے لیا گیا جس سے گرفتار شدگان کی تعداد ستر اسی تک پہنچ گئی ہے۔

پولیس کے لاٹھی چارج سے جہاں بے شمار نوجوان اور بچے زخمی ہوتے وہاں عائشہ بلوچ اور عابدہ سومرو بھی زخمی ہو گئیں بغدادی میں ہنگامے کی وجہ سے متعدد افراد شدید زخمی ہوئے، مگر انہیں کسی قسم کی طبی امداد مہیا نہیں کی گئی۔ پولیس نے ہجوم پر متعدد بار لاٹھی چارج کیا اور آنسو گیس کے شیل پھینکے۔

الاؤ اور شیل کا دھواں صدر سے دیکھا گیا ■

برنس روڈ

بس جلا دی گئی

لیاری میں ہنگاموں کی بازگشت ۱۹ر دسمبر کو بھی سنائی دی۔ سڑکوں پر جو الاؤ جلائے گئے تھے، ان کی راکھ میں دبی چنگاریاں دوبارہ بھڑک اٹھیں۔ پولیس ہر جگہ مستعد کھڑی تھی اور جب بھی موقع ملتا، جمع ہونے والے ہجوم پر چڑھ دوڑتی۔ ہنگامہ کی آگ برنس روڈ تک پہنچ گئی اور مشتعل لوگوں نے اومنی کی ایک بس کو نذرِ آتش کر دیا۔ یہ چھوٹے بڑے خود رو ہنگامے اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ لوگوں کے جذبات پک رہے ہیں۔

سمجھوتہ نہیں ہوگا، یومِ جمہوریت منایئے

ممتاز بھٹو اور حفیظ پیرزادہ کا مشترکہ بیان

پیپلز پارٹی کے نظر بند رہنما جناب ممتاز بھٹو اور جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے ایک مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرمین بیگم نصرت بھٹو پر قذافی اسٹیڈیم میں حملے اور لاہور، پنڈی، کراچی میں خواتین اور پیپلز پارٹی کے کارکنوں پر اندھا دھند لاٹھی چارج اور گرفتاریوں کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ اور ہم عوام کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ یہ ظلم و تشدد اور گرفتاریاں، ان عظیم اصولوں اور کچلے ہوئے عوام کے حقوق کی بحالی میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں جس کے لئے پیپلز پارٹی گذشتہ دس سال سے جدوجہد کر رہی ہے۔ ہم جیل میں ہیں، لیکن ہمارے دل عوام کے ساتھ ہیں۔ ہم تمام کارکنوں اور عوام کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ جیل میں موجود ان کے تمام ساتھیوں کے حوصلے بلند ہیں اور وہ کسی قیمت پر اپنے اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ چیئرمین بھٹو کی قیادت میں پیپلز پارٹی اور پاکستان کے عوام سامراج اور اس کے ایجنٹوں کی تمام کوششوں کو ناکام بنا کر رہیں گے۔

ہم اپیل کرتے ہیں کہ ۵ر جنوری کو یوم جمہوریت پورے جوش و خروش سے منایا جائے اور دنیا بھر پر واضح کر دیا جائے کہ پاکستان کے عوام صرف اور صرف جمہوریت چاہتے ہیں۔ وہ کسی قسم کی آمریت کو برداشت نہیں کریں گے۔

پاکستان ورکرز فیڈریشن

مزدوروں پر پابندی، سرمایہ داروں کو کھلی آزادی

الفتح رپورٹ

۱۲ دسمبر ۱۹۷۷ء کو پاکستان ورکرز فیڈریشن کی سندھ ریجنل کمیٹی کا ایک اجلاس جناب جاوید شکور کی صدارت میں ہوا۔ جس میں متعدد قراردادیں منظور کی گئیں۔ ایک قرارداد میں صحافیوں اور اخباری کارکنوں کے اتحاد، جدوجہد اور مثالی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہوئے اسے مزدوروں کی ایک عظیم فتح قرار دیا گیا اور امید ظاہر کی گئی کہ اخبار نویس اور اخباری کارکن پریس کی آزادی اور مزدوروں کے حقوق کے لئے جہد مسلسل کرتے رہیں گے۔

ایک اور قرارداد میں مزدوروں کی عمومی صورت حال پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے بتایا گیا کہ مزدوروں کو ہڑتال کرنے یا دوسری متحدہ عملی سرگرمیوں پر پابندی ہے۔ جب کہ ملز مالکان اور انتظامیہ کو چھانٹی، لے آف اور روزگار سے محروم کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔ اس "آزادی" کا بے دریغ استعمال ہو رہا ہے۔ اور بے شمار مزدوروں کو روزگار سے محروم کیا جا رہا ہے۔ دوسری جانب مہنگائی میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ مزدوروں اور طلباء کو انتخابات میں حصہ لینے یا انتخابی سرگرمیوں میں شریک ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ اس طرح سیاسی حقوق نہ ہونے کی وجہ سے مزدور اور طلباء اپنے مسائل پر آواز اٹھانے کے حق سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ اجلاس میں مطالبہ کیا گیا کہ مزدوروں کو حق ہڑتال غیر مشروط طور پر دیا جائے، سیاسی سرگرمیوں پر پابندی ختم کی جائے۔ مزدوروں اور طلباء تنظیموں کو الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت دی جائے۔ چھانٹی، لے آف اور برطرفیاں بند کی جائیں۔ بے روزگار مزدوروں کو روزگار مہیا کیا جائے۔ بے روزگاروں کو کم از کم تنخواہ کے مساوی بے روزگاری الاؤنس دیا جائے۔ مہنگائی کو روکنے اور کم کرنے کے مؤثر اقدامات کئے جائیں، اور لازمی سروسز کا قانون منسوخ کیا جائے۔

*

ٹی اینڈ ٹی ڈپارٹمنٹ سے ۳۰۷ افسر برطرف

بقیہ صفحہ ۸ سے آگے

پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کے مالکان نے ہمیشہ حکومت وقت کی مخالفت کی اور اندر اپنے تعلقات حکمرانوں سے استوار رکھے۔ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں مولانا کوثر نیازی وزیر اطلاعات تھے اور ان کے بعد خان محمد حنیف خان کو یہ عہدہ ملا۔ گروپ ایک ہی تھا اس دور میں نوائے وقت نے جو دوستی کی تھی اس کو نبھانے کا اب موقع ملا۔ اس اخبار کے مالکان نے مولانا کوثر نیازی کے چہیتے مسٹر زاہد ملک کو جو حال ہی میں مرکزی حکومت کے جائنٹ سیکرٹری کے عہدے سے نکالے گئے ہیں اپنے راولپنڈی ایڈیشن کا "ریزیڈنٹ ایڈیٹر" مقرر کیا ہے۔ مسٹر زاہد ملک کا تقرر حقیقتاً مولانا کوثر نیازی سے دوستی نبھانے کے لئے ہے۔ ورنہ زاہد ملک جتنے بڑے اخبار نویس ہیں وہ اس ملک کا جونیئر ترین اخبار نویس بھی بخوبی جانتا ہے۔ اگر کوئی ایک کتاب لکھ کر اور جرنلزم میں ایم اے کرنے کے بعد اس اعزاز کا مستحق ٹھہر سکتا ہے تو اخبار میں موجود کئی سالہا سال سینیئر افراد پر اوپر سے مسلط کیا جا سکتا ہے تو زاہد ملک سے زیادہ "قابل" افراد کی فہرست زیادہ طویل ہو سکتی ہے بہرحال مولانا کوثر نیازی اپنے زیر اثر اخبارات میں اپنے آدمیوں کو رکھوا کر جو کھیل کھیلنا چاہتے ہیں وہ سب پر آشکارا ہے۔ اگر کسی مرحلے پر کوئی اقدام ہوا تو مولانا کے فٹ کئے ہوئے یہ آدمی واقعات پر کیسے پردہ ڈالیں گے یہ البتہ ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے فضا ہموار کرنے

علاج نہیں چاہیے، ممتاز بھٹو

پیپلز پارٹی کے نظر بند رہنما جناب ممتاز علی بھٹو نے لاہور میں بیگم نصرت بھٹو اور ملک کے مختلف حصوں میں پارٹی کے کارکنوں پر تشدد کے رد عمل کے طور پر احتجاج کرتے ہوئے اپنی وہ درخواست واپس لے لی ہے جس میں سندھ ہائی کورٹ سے استدعا کی گئی تھی کہ ان کی آنکھیں خراب ہو رہی ہیں۔ بینائی متاثر ہو رہی ہے۔ لیکن جیل میں علاج کی مناسب سہولتیں مہیا نہیں کی جا رہی ہیں۔ اس لئے عدالت عالیہ مدعا علیہ کو علاج کی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے حکم جاری کرے۔ جناب ممتاز بھٹو نے اپنی درخواست واپس لیتے ہوئے کہا کہ میں ایسی حکومت سے علاج کی سہولتیں نہیں لوں گا جو خواتین کا احترام نہ کرتی ہو، خواہ میری بینائی ضائع ہو جائے اور میں اندھا ہو کر جیل سے نکلوں۔ یا مر جاؤں، لیکن رحم کی اپیل نہیں کروں گا۔

کے لئے جو کام ہو اس میں روڑے اٹکا دیئے جائیں۔

بنگلہ دیش کے صدر جنرل ضیاء الرحمان اسی ہفتے کے دوران پاکستان کا دورہ کر رہے ہیں۔ وہ یہ دورہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق کی دعوت پر کر رہے ہیں جن کے بارے میں جنرل ضیاء الحق نے اپنے دورۂ چین کے دوران کہا کہ انہیں جنرل ضیاء الرحمان کو خوش آمدید کہہ کر خوشی محسوس ہوگی۔ جنرل ضیاء الرحمان کے اس دورہ کے دوران پاکستان اور بنگلہ دیش کے درمیان کسی بھی طرح سے ایسا رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ قرارداد پاکستان (اصل) کی روشنی میں کوئی صورت بن سکے۔ ہماری اطلاع کے مطابق تجویز یہ ہے کہ بنگلہ دیش اور پاکستان کے درمیان خواہ ڈھیلی ڈھالی ہی کیوں نہ ہو، ایک کنفیڈریشن ہی بنائی جائے۔ یہ تجویز ایجنڈے پر نہیں ہے۔ صرف باہمی بات چیت میں اسے شامل کیا گیا ہے اور مقصد اس کا یہ ہے کہ اگر کسی بھی مرحلے پر یہ بات ہے کہ مشرقی پاکستان کے المیہ کی ذمہ داری سامراج پر عائد کی جا سکتی ہے تو اب دونوں جانب ہی فوج اقتدار میں ہے، اور وہی اگر یہ کام بھی کر دے تو کم از کم ضیاء الرحمان کو جو ایک نئی سیاسی جماعت بنا

چکے ہیں قدم جمانے کا موقع مل جائے گا۔ ہماری اس اطلاع کو تقویت ایک سر ونگ میجر جنرل راؤ فرمان علی کے اس بیان سے بھی پہنچی ہے جو انہوں نے مشرقی پاکستان کے آخری سابق گورنر مسٹر عبدالمالک کی وفات پر دیا جس میں انہوں نے عبدالمالک مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ اگر دسمبر ۱۹۷۱ء میں مسٹر عبدالمالک کی تجویز مان لی جاتی تو پاکستان کے دونوں حصوں کی ایک ڈھیلی ڈھالی ہی صحیح کنفیڈریشن بن جاتی اور اس طرح دونوں حصے علیحدہ نہ ہوتے۔ واضح رہے کہ میجر جنرل راؤ فرمان علی مشرقی پاکستان کے سابق گورنر کے مشیر تھے اور انہوں نے ہی اقوام متحدہ میں ہتھیار ڈالنے کا پیغام بھیجا تھا جس کو بعد میں اس وقت کی حکومت نے مسترد کر دیا تھا۔

محکمہ ٹی اینڈ ٹی نے اپنے ۳۰۷ افسروں کو ملازمت سے برطرف کر دیا ہے ان پر الزام ہے کہ ان کی تقرری سیاسی طور پر کی گئی تھی۔ نظریہ ضرورت کے تحت یہ برطرفیاں اور دوسری طرف چند افراد کی ریویو بورڈ کے ذریعے دوبارہ تقرری سمجھ میں نہیں آتی۔ برطرف شدہ ملازمین نے کہا ہے کہ ان برطرفیوں کے بارے میں محکمہ نے جو وضاحت کی ہے وہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ محکمہ کے ڈائریکٹر جنرل نے خود اور اپنے قریبی عزیزوں کو اعلیٰ عہدے دلوائے۔ ان میں چیف اکاؤنٹس آفیسر، ڈویژنل انجینئر ٹیلی گراف لاہور کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ وہ ان سیاسی تقرریوں کے زمرے میں کیوں نہیں آتے حالانکہ یہ تینوں اصحاب بہت جونیئر تھے مگر اب چونکہ یہ خود دوسروں کو نکلوا سکتے ہیں۔ اس لئے ان کے خلاف کارروائی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ محکمہ نے اپنے افسران تعلقات عامہ کو بھی برطرف کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ حالانکہ یہ حضرات کئی سال سے محکمہ کے لئے جس طرح کام کر رہے ہیں وہ سب پر اور خود محکمہ کے افسران پر عیاں ہے۔

بقیہ : سرورق

جگہ نہیں مل رہی ہے۔ بے نظیر بھٹو، گراؤنڈ میں جنگلے کے قریب کھڑے ایک مجسٹریٹ سے کہتی ہیں کہ وہ ان کو ان کی نشستوں تک پہنچاتے۔ لیکن مجسٹریٹ ان کی مدد کرنے کی بجائے پولیس کے ایک دستے کو اشارہ کر کے بلا لیتا ہے پولیس والے جنگلہ پھاند کر خواتین کے انکلوژر کے سامنے والی گذرگاہ پر آجاتے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر کارکن بیگم صاحبہ کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ پولیس اندھا دھند لاٹھی چارج شروع کر دیتی ہے۔

۳-۳۵: عبدالقادر باؤلنگ اور ڈیرک اینڈل بیٹنگ کر رہے ہیں۔ انگلستان کا اسکور ۸۵ ہے اور اس کے دو کھلاڑی آؤٹ ہو چکے ہیں۔ اچانک کھیل روک دیا جاتا ہے۔ کھلاڑی اور ایمپائر گھبرا کر جنوب کی طرف بھاگتے ہیں۔ اچانک پلٹتے ہیں وکٹیں اکھاڑ کر پویلین کی طرف بھاگ جاتے ہیں۔ ٹی وی کیمرے بند کر دیئے جاتے ہیں اور ریڈیو کا کمنٹیٹر کہتا ہے کہ "کھیل رک گیا ہے۔ لیڈیز انکلوژر کے قریب پولیس اور تماشائیوں میں لڑائی ہو رہی۔۔۔" پھر ریڈیو اسٹوڈیو سے آواز آتی ہے "ابھی آپ قذافی اسٹیڈیم سے کرکٹ کا آنکھوں دیکھا حال سن رہے تھے۔"

۳-۳۷: لاٹھی چارج سے ہجوم مشتعل ہو جاتا ہے پولیس لاٹھی چارج کے علاوہ آنسو گیس کا استعمال بھی شروع کر دیتی ہے۔ ایک باریش تماشائی ڈاکٹر انتصار الدین کو پولیس گراؤنڈ پر گرا دیتی ہے۔ اور متعدد سپاہی لاٹھیاں برساتے ہیں حتیٰ کہ وہ ادھ موا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پولیس والے اسے گھسیٹتے ہوئے لے جاتے ہیں۔ بعض سپاہی خواتین کو بھی زدوکوب کر رہے ہیں۔

۳-۴۰: کارکن زخمی ہونے کے باوجود بیگم بھٹو کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ایک ایس پی، بیگم نصرت بھٹو کی طرف اشارہ کرتے ہوتے پولیس کو حکم دیتا ہے "اس عورت کو مارو۔" ایک پولیس والا بیگم صاحبہ کے سر پر لاٹھی مارتا ہے اور ایس پی مسکراتا ہے۔ بیگم صاحبہ لہولہان ہو کر گر جاتی ہیں۔

۳-۴۱: بیگم بھٹو کو زخمی حالت میں دیکھ کر ہجوم نعرہ لگاتا ہے "ظالمو جواب دو، خون کا حساب دو" اس پر پولیس شدید پتھراؤ، لاٹھی چارج کرتی ہے اور بے دریغ آنسو گیس کا استعمال کرتی ہے۔ عوام اور پولیس میں کھلم کھلا مقابلہ شروع ہو جاتا ہے۔

۳-۴۵: وی آئی پی اور اے کلاس کے تماشائی بھاگ جاتے ہیں۔

۳-۵۰: بیگم بھٹو اسٹیڈیم سے باہر آجاتی ہیں اُن کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ ان کے ہمراہ بے نظیر بھی ہیں۔

۳-۵۲: پولیس اسٹیڈیم کے باہر بھی آنسو گیس استعمال کرتی ہے۔ اور باہر بھی تصادم شروع ہو جاتا ہے۔

۴-۴: بیگم بھٹو واپس لوٹ گئیں۔

۴-۵: پولیس اسٹیڈیم سے کئی افراد، جن میں زیادہ تر نوجوان ہیں گرفتار کر لیتی ہے۔ اور ان کو مارتے مارتے گاڑیوں میں بٹھا دیتی ہے۔ مشتعل ہجوم ایک جلوس کی شکل میں فیروزپور روڈ پر پہنچ جاتا ہے۔ مظاہرین ایک سرکاری بس کو نذر آتش کر دیتے ہیں۔ مظاہرین نہر کا پل پار کر کے بی پی فیکٹری کے قریب ایک سرکاری بس پر پتھراؤ کرتے ہیں۔ اس کے شیشے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ایک خراب بس کو بریکر کے ذریعے لے جایا جا رہا ہے۔ کہ اُسے آگ لگا دی جاتی ہے۔ بریکر کا ڈرائیور جلتی بس کو تھانہ اچھرہ لے جاتا ہے۔ جہاں وہ جل کر تباہ ہو جاتی ہے۔ چوک وحدت روڈ پر مظاہرین قومی اتحاد کے ایک بورڈ کو آگ لگا دیتے ہیں۔ یہاں پر پولیس سے تصادم ہوتا ہے۔ جو شام سات بجے تک جاری رہتا ہے۔ پھر جلوس اچھرہ موڑ ڈاک خانہ کے سامنے تک پہنچ جاتا ہے۔ یہاں پولیس ایک آدمی کو سخت زدوکوب کرتی ہے۔ مظاہرین بپھر جاتے ہیں۔ اور پولیس پر شدید پتھراؤ کرتے ہیں۔ پولیس ہوائی فائر کر کے مظاہرین کو منتشر کرتی ہے۔ لیکن مظاہرین دوبارہ اربن ٹرانسپورٹ ڈپو کے سامنے جمع ہو جاتے ہیں "انکوائری کیبن" الٹ دیتے ہیں۔ ایک پٹرول پمپ کو آگ لگانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ چوک قرطبہ میں آکر مظاہرین مختلف اطراف میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک جلوس چوبرجی کی طرف، دوسرا لٹن روڈ، تیسرا ٹمپل روڈ اور چوتھا وارث روڈ کی جانب روانہ ہو جاتا ہے۔ جلوسوں کا سلسلہ رات آٹھ بجے تک جاری رہتا ہے۔

۵-۵۰: بیگم بھٹو کو ایمبولینس میں ان کی رہائش گاہ سے یوسی ایچ پہنچایا جاتا ہے۔

۷-۲۰: آپریشن کے فوراً بعد بیگم صاحبہ صحافیوں سے گفتگو کرتی ہیں۔ اور کہتی ہیں کہ "مجھے قذافی اسٹیڈیم میں گرنے والے اپنے خون پر فخر ہے۔ جو عوام کے لئے بہا ہے۔ ایک پولیس افسر کے حکم پر ایک پولیس والے نے دونوں ہاتھوں سے لاٹھی بلند کر کے میرے سر پر دے ماری جس سے میں چکرا کر گر پڑی۔ افسوس آج ہمیں میچ دیکھنے کی بھی اجازت نہیں۔ عورتوں پر لاٹھیاں برسانا کہاں کی بہادری ہے وہ کشمیر تو فتح نہ کر سکے۔ البتہ قذافی اسٹیڈیم فتح کر لیا۔"

۷-۳۰: مسٹر یحییٰ بختیار، ڈی۔ ایم۔ اعوان، ڈاکٹر اقبال، سردار ظہر علی، بیگم نادرہ خاکوانی، میاں احسان الحق کوثر علی شاہ اور سینکڑوں کارکن، بیگم نصرت بھٹو کی عیادت کے لئے ہسپتال پہنچ جاتے ہیں۔

۸-۰۰: بے نظیر بھٹو کو پریس کانفرنس سے خطاب کرنا تھا۔ جو نامعلوم بنا پر ملتوی کر دی گئی اور ۱۸ دسمبر کو انہیں ۲۵ دسمبر تک گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔

اظہارِ خیال

ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

مرے وطن ترے چاک گریباں کے ذمے دار

یوسف علی (لاہور)

"الفتح" کے گذشتہ شماروں میں، ڈاکٹر احمد حسین کمال کا سلسلہ وار مضمون جو ۶ قسطوں میں ختم ہوا۔ الفتح کے تمام قارئین کیلئے فکر انگیز تھا۔ اس کے ذریعہ ہماری تاریخ کی متعدد گتھیاں حل ہوئیں "مولانا آزاد مرحوم کے تیس صفحات میں کیا ہو سکتا ہے" اس پر مختلف کتابوں کے حوالوں سے ڈاکٹر کمال صاحب نے جو روشنی ڈالی اس نے ذہنوں کو بہت حد تک صاف کیا۔ اور وطن دوستی کا نیا ولولہ جو حقائق پر مبنی ہے۔ محض تصورات کے سراب پر مبنی نہیں، عوام کے دلوں میں جو موجزن ہوا۔

ان چھ قسطوں میں تقریباً پندرہ اہم کتابوں کے حوالوں سے کمال صاحب نے واقعات پیش کئے اور پہلی مرتبہ پاکستان کے عوام، کسانوں، مزدوروں، ترقی پسندوں اور قوم پروروں کو پاکستان کے قیام اور آزادی کے بارے میں ایسے حقائق کا علم ہوا جس سے انگریز کی فریب کاریوں کا پردہ چاک ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ان طبقوں کا رول اور کردار بھی نمایاں ہوا جو پہلے تو برطانوی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے سرے سے حامی ہی نہیں تھے، لیکن جب یہ آزادی ملتی نظر آنے لگی تو انگریز کے ہی ایماء پر، اس آزادی کے "فوائد" کو بالا ہی بالا "اچک" لیا۔

آج یہ حقائق اگر ڈاکٹر کمال کے قلم سے اور آپ کے پرچہ "الفتح" کے ذریعہ عوام کے سامنے آئے ہیں تو ان کے بارے میں ان حلقوں کی تشویش اور اضطراب سمجھ میں آنے والی بات ہے جنہوں نے جدید نو آبادیاتی اثر و رسوخ کے بل پر اور انگریزوں کے چھوڑے ہوئے ورثہ کے ذریعہ پاکستان میں عوام کے استحصال کو جاری رکھنے کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے۔

شاید اقبال میر صاحب، جن کا مضمون الفتح کے تازہ شمارہ (۱۶ تا ۲۳ دسمبر ۱۹۷۷) میں ڈاکٹر کمال صاحب کے سلسلہ مضمون پر محض اعتراض کے طور پر شائع ہوا ہے۔ اس طبقہ کے نمائندہ معلوم ہوتے ہیں جو بوجوہ، آزادی اور تقسیم سے متعلق انگریزوں کی ان فریب کاریوں کا پردہ فاش نہیں ہونے دینا چاہتے جو برصغیر سے رخصت ہوتے وقت یہاں انجام دے گئے۔

یہی وجہ ہے کہ اقبال میر صاحب نے، سنجیدہ طور پر اور دلائل و شواہد کے ساتھ جواب دینے کے بجائے "پاکستانی اور" دامانِ وطن کے تار تار" کی دہائی کا جذباتی اور اشتعال حربہ اختیار کیا ہے۔

پورے مضمون میں ڈاکٹر کمال صاحب نے کسی جگہ بھی یہ نہیں کہا کہ مولانا آزاد "اشتراکی" تھے۔ شاید اقبال میر صاحب کی لغت میں "انقلابی" کا مفہوم صرف "اشتراکی" ہے حالانکہ کمال صاحب نے اپنے مضمون میں مولانا آزاد اور ان کے رفقاء کے لئے "انقلابی" کا لفظ "برطانوی امپیریلیزم" کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے اور پھر کمال صاحب نے متعدد جگہ یہ بات واضح کی ہے کہ مولانا کا انقلابی مشن اسلامی تھا۔ مگر ایسا اسلامی جس میں غریب مسلمان عوام اور ان کے ساتھ غریب غیر مسلم بھی شریک ہو سکتے تھے۔ ترقی پسند تحریکیں اسی لئے ان پر اعتماد کرتی تھیں۔

پتہ نہیں، اقبال میر صاحب نے مولانا کی تصانیف بالخصوص ان کے جریدے الہلال و البلاغ کے قدیم فائل پڑھے ہیں یا نہیں۔ شاید ان کے لئے یہ بات انکشاف کا درجہ رکھے کہ "مشہور عالم "کمیونسٹ مینی فیسٹو" کا پہلا اردو ترجمہ ۱۹۱۳ء یا ۱۹۱۴ء میں، مولانا آزاد کے پرچے "الہلال" میں شائع ہوا تھا جسے عربی ایڈیشن سے ترجمہ کیا گیا تھا۔

پھر شاید یہ بھی ان کے لئے انکشاف ہو کہ الہلال میں کئی قسطوں میں "سوشلزم" کے نظریہ اور نظام پر ہمدردانہ مضمون شائع ہوتا رہا۔ علاوہ ازیں ان کی تفسیر "ترجمان القرآن" میں بھی سوشلزم اور اسلام سے متعلق ان کی ایک تحریر موجود ہے، جس میں ان دونوں کے درمیان مماثلت اور فرق بتاتے ہوئے سوشلزم کو تجربہ کا حق دینے کی حمایت کی ہے۔ نیز آل انڈیا نیشنل کانگریس میں، جمہوریت اور سیکولرازم کے علاوہ "سوشلزم" کو اس کا نصب العین قرار دینے والا ریزولیشن بھی مولانا آزاد کا ہی پیش کردہ تھا۔

انہوں نے یہ سب کچھ اس حیثیت سے کیا کہ "ان کا دل مومن کا دل تھا، ان کا دماغ عالم دین کا دماغ، ان کا قلم اور ان کی زبان حریت اور اسلام کے لئے وقف تھی" لیکن ظاہر ہے کہ ان کا ایمانِ قلب، دینی دماغ اور حریت و اسلام کے لئے وقف زبان، سرمایہ دارانہ استحصال کے بجائے، غریب عوام کے مفاد کے لئے تھی اور قرآن و اسلام سے انہوں نے یہی ثابت کیا ہے۔

چنانچہ ان کے ایمان و اسلام کے لئے "اشتراکیت کا ہوّا" کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا اور وہ خواہ مخواہ بعض طبقوں اور طاقتوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے اشتراکیت اور اسلام کے درمیان میدانِ کارزار کھولنے کے خواہاں نہیں تھے۔

کاش اقبال میر صاحب کو معلوم ہوتا کہ "پاکستان" اور انگریزوں کا تیار کردہ "تقسیم ہند کا منصوبہ" دو مختلف چیزیں ہیں۔ اگر انہوں نے کمال صاحب کے مضمون کی تمام قسطیں پڑھی ہیں تو حیرانی ہے کہ وہ اس فرق کو جسے کمال صاحب نے نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے کیوں نظر انداز کر گئے۔ کمال صاحب، اس انگریزی سازش کو بے نقاب کرتے ہیں تو، نو آبادیاتی استحصالی طاقتیں اگر اس پر خفا ہوں تو تعجب نہیں، لیکن اقبال میر صاحب ان کی نمائندگی کیوں کر رہے ہیں۔

"ٹکر" کی کتاب تو کیا، قرآن حکیم کے بعد کوئی بھی کتاب الہامی نہیں ہے۔ اس طرح تو آپ جس کتاب اور حوالہ کو چاہیں، یہ کہہ کر کہ "الہامی" نہیں ہے رد کر سکتے ہیں اور گذشتہ چودہ سو سال کی ہر بات کو غیر الہامی کہہ کر رد کرتے جایئے۔ یہ بڑی آسان منطق ہے مگر علمی حیثیت سے بے معنیٰ ہے۔ کمال صاحب نے تو ان حوالوں سے، یہاں کی برطانوی بیوروکریسی اور فوجی افسران کی نیت اور ارادوں پر سے پردہ اٹھایا ہے کہ وہ، پاکستان کے بارے میں کیا کیا خفیہ منصوبے بنا رہے تھے۔

"ٹکر" پر ہی کیا موقوف ہے "کیمبل جانسن" کی کتاب "مشن ود ماؤنٹ بیٹن" پڑھ جایئے۔ آخر میں اس نے صاف صاف لکھا ہے۔

"The Partition Decision, however, and in particular the force of communal sentiment in Bengal, came as a blow to the Communists"

کہیئے "تقسیم" ہی نہیں بلکہ "فرقہ وارانہ جذبات" تک کے بارے میں وہ کہہ رہا ہے کہ ان سے کمیونسٹوں پر زبردست ضرب پڑی۔ کتنے مسرت کے ساتھ وہ یہ بات بیان کر رہا

ہے۔ مزید اگر چاہیں تو، اس کتاب میں اس نے حیدر آباد دکن میں سید قاسم رضوی مرحوم سے جو گفتگو کی ہے وہ پڑھ لیجئے اور قاسم رضوی صاحب کا جواب بھی پڑھ لیجئے۔ ہاں مگر اقبال میر صاحب اسے بھی یہ کہہ کر رد کر دیں گے کہ یہ کوئی "الہامی کتاب" ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا جواب کسی کے پاس کیا ہو سکتا ہے۔

لارڈ ویول کے جرنل شائع ہو گئے ہیں، پاکستان میں ملتے ہیں اس کے صفحات ۲۳۰، ۳۲۶، ۳۴۰ اور ۴۱۱ پڑھ لیجئے۔ برطانوی کابینہ کے ارکان اور خود لارڈ ویول کے اندیشے گورنر بنگال کے پیش کردہ خدشات، جگ جیون رام کی تشویش پٹیل کا اظہارِ خوف، کمیونسٹ موومنٹ کے بارے میں، لارڈ ویول نے ذکر کیا ہے۔

کمال صاحب نے تو اپنے اس مضمون سے، دامانِ وطن کے تاروں کو از سرِ نو سینے اور یک جا کرنے کی کوشش کی ہے، جسے گذشتہ تیس سال سے نو آبادیاتی گماشتہ طاقت تار تار کرتی چلی آ رہی ہے بلکہ اس نے ۱۹۷۱ء میں وطن کا دامن ہی نہیں پورا لباس اور بدن تک چھلنی کر ڈالا۔

کمال صاحب نے تو نئی نسل کو جو موجودہ اور گذشتہ حالات سے نالاں اور خوفزدہ ہے، بتایا ہے کہ جو کچھ آج تک ہوا ہے اس کی تیاری تمہارا دشمن انگریز آزادی سے پہلے سے کر رہا تھا۔ اس دشمن کو اس کی چال بازیوں کو سمجھو اور اس کے گماشتوں کو پہچانو، اس نے شروع میں ہی کس طرح نہ تو مسلم لیگ اور قائداعظم کا مطلوبہ پاکستان انہیں دیا اور نہ کانگریس کو صحیح آزادی دی۔ چنانچہ آج بھی یہ طاقت درپردہ اپنی سازشوں میں مصروف ہے اور اس کی ان سازشوں کے بعض پہلوؤں کو ہی مولانا آزاد آئندہ نسلوں کے لئے اپنے تیس صفحات میں محفوظ کر گئے ہیں۔

اقبال میر صاحب کو چاہیئے کہ اگر وہ کمال صاحب کے مضمون کی واقعی تردید لکھنا چاہتے ہیں تو کمال صاحب کے حوالوں کو غلط ثابت کریں اور تاریخی نقطۂ نظر سے واقعات پر گفتگو کریں۔ اگر اس میں دلائل اور شواہد کے ساتھ کوئی بات غلط ہے تو الفتح کے قارئین اقبال میر صاحب کی اس تحقیق کا خیر مقدم کریں گے اور ڈاکٹر کمال صاحب جیسے اہلِ قلم بھی اپنی غلطی کی تصحیح میں کوئی تردد نہیں کریں گے۔ لیکن، پاکستان دشمنی، اسلام دشمنی اور اشتراکیت زدگی کے الزامات کی "ٹیکنک" اب بہت فرسودہ اور پامال ہو چکی ہے۔ محض اس "ٹیکنک" کے ذریعہ تاریخی حقائق کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

پاکستان کی نئی نسل، پاکستان کا کسان، پاکستان کا مزدور پاکستان کے قدیم صوبوں کے قدیم النسل باشندے، پاکستان

ہیں تقسیم کے بعد آنے والے لوگ، سب ہی آج جذباتیت اور آفاقیت کے جال سے نکل کر حقائق کی طرف آ رہے ہیں اور اپنے دوست و دشمن میں تمیز کر کے وہ اب اپنی "پاکستانیت" کی راہ تعمیر کر رہے ہیں۔ اس کے لئے ان کی راہ نمائی ماضی کی تاریخی حقیقتیں ہی کر سکتی ہیں۔ ان حقیقتوں کو سامنے رکھ کر بات کیجئے۔ ایمان، اتحاد، تنظیم اسی طرح پیدا ہو سکتی ہے محض جذبات کے ساتھ کھیلنے سے نہیں پیدا ہو سکتی۔ تیس سال کا تلخ تجربہ پوری قوم کے لئے کافی ہے۔

منڈی بہاؤالدین
میاں محمد شریف زاہد

آٹا بازار سے غائب ہو گیا

پاکستان دیہاتی مزدور تنظیم کے صدر ملک آغا خاں سیوترہ نے منڈی بہاؤالدین میں کامریڈ محمد رمضان جانی کی رہائش گاہ پر ایک ملاقات کے دوران موجودہ ملکی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر کے عوام کے گوناگوں مسائل حل نہیں کئے جا سکتے۔ انہوں نے کہا کہ اس کا واحد حل یہ ہے کہ سیاسی سرگرمیوں پر عائد پابندی ختم کی جائے اور انتخابات جلد از جلد کرا کے حکومت کی باگ ڈور قوم کے منتخب نمائندوں

ماھنامہ
پاکستان قوم کراچی

ایڈیٹر:۔ ڈاکٹر فیروز احمد

دسمبر کے شمارے میں

- ولی خان وزیراعظم بن جائیں گے؟
- عرب اسرائیل سمجھوتے کا تفصیلی تجزیہ
  + جمی کارٹر کا "امن" منصوبہ + صیہونیت کیا ہے؟
  + مصر، امریکی پالیسی کا آلۂ کار + فلسطینیوں کا اصل موقف
  + سادات کی حکمتِ عملی کا سماجی پس منظر
  + سعودی عرب کی سفارتی تدبیریں + شام کیا چاہتا ہے؟
- کیا زراعت میں سرمایہ داری آ رہی ہے؟
- اولاد کی جنس کیسے متعین ہوتی ہے؟
- انسانی حقوق کیا ہیں؟
- سپریم کورٹ کے فیصلے کے بنیادی نکات
- سندھ کی قیدی عورتیں ● کرنل طاہر کی بیوہ کا خط
- اداریہ: انتخاب، احتساب اور انحطاط
- بلوچی نظم ● محمد میاں کا کالم ● مراسلے

اپنے قریبی بکسٹال سے خریدیں یا
ہم سے براہ راست طلب کریں

پاکستان قوم 419 / 418، گارڈن ایسٹ، کراچی - 5

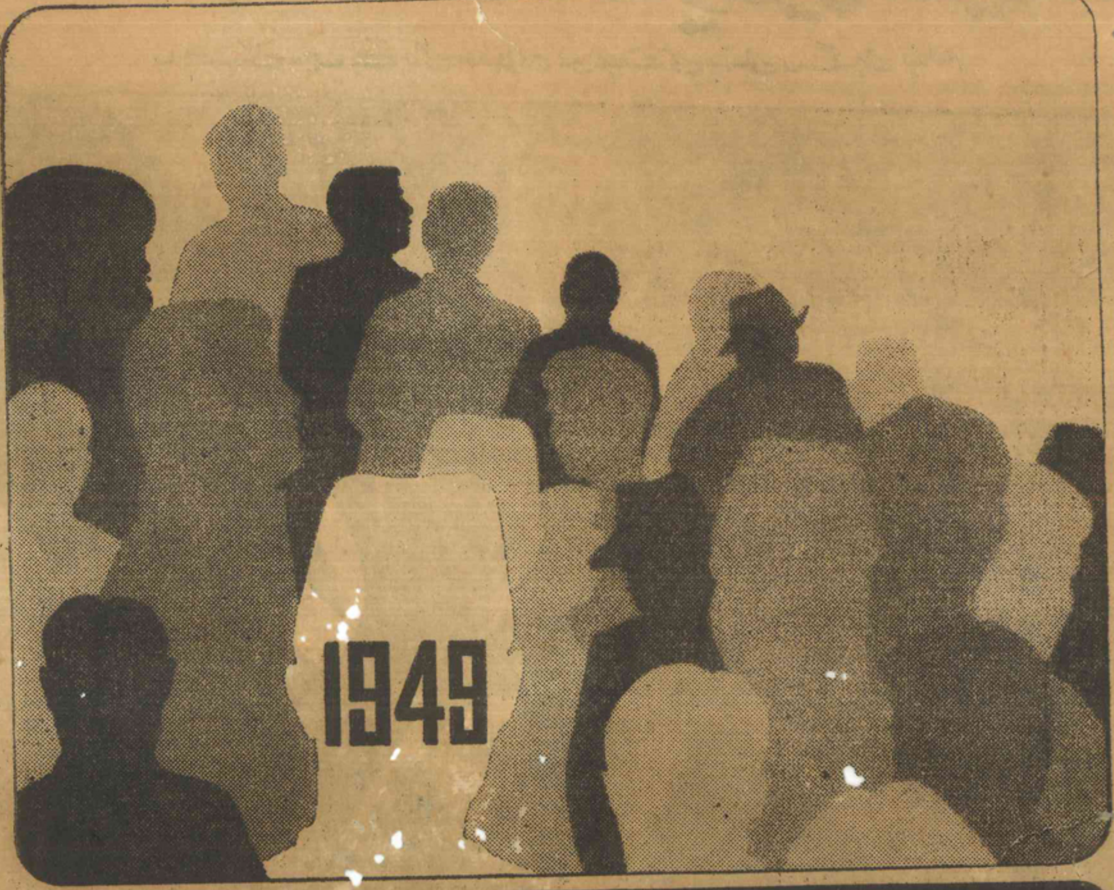

عوام کا مفاد

اگر ہر دور کی جمع شدہ رقم سرمایہ کاری کیلئے استعمال ہوتی رہے
تو سرمائے کی حرکت حیرت انگیز نتائج سامنے لاسکتی ہے
معاشرے کا عام آدمی بھی ـــــــ
بہتر امکانات اور زیادہ سہولتوں سے مستفید ہوسکتا ہے۔
ہماری "پیپل کریڈٹ اسکیم" عوام کی معاشی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔
نیشنل بینک آف پاکستان کا ذیلی ادارہ بینک آف بہاولپور بھی ہر وقت ہر خدمت کیلئے تیار ہے۔
قوم کی خدمت میں ہمیشہ کوشاں ۔

نیشنل بینک آف پاکستان

اِس بینک کے مالک آپ ہیں

AIM

NAT U 70

بہادر اور جری عوام کی ۲۳ سالہ جدوجہد کی عظیم داستان

عوامی اداکار طارق عزیز پیش کرتے ہیں

پاکستان میں بننے والی انقلابی نوعیت کی پہلی رنگین فلم

جاگیردار
اور
سرمایہ دار
کے
خلاف
مظلوم
عوام کی
جدوجہد

ظلم اور
تشدد
کے خلاف
مزدور
اور
کسان
کا
احتجاج

ملک کے چوٹی کے فنکار اپنی زندگی کے بہترین کردار ادا کریں گے

بین الاقوامی معیار پر بنائی جانے والی رنگین فلم جو پاکستان کی فلمی صنعت کا سنگِ میل ثابت ہوگی

... انڈسٹریز - کراچی